ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۲۶/مارچ ۱۹۹۶ء

☆ ہندو ذہن کیا سوچتا ہے؟

☆ سیکولرزم اب بے روک ٹوک آگے بڑھے گا!

☆ کیا یہ ڈھول ڈھمکے ہمیں زیب دیتے ہیں؟

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

اپنا' پرائی راہ پر کیوں چل نکلا؟

نئی دہلی سے شائع ہونے والے ہفت روزہ نئی دنیا کو حال ہی میں انٹرویو دیتے ہوئے ایرانی وزیر خارجہ ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے کہا ایران کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اہداف میں سے ایک نظریہ یہ ہے کہ بھارت 'چین اور ایران مل کر ایشین اتحاد بنائیں جس کی پہچان ایشیائی ہو اور دوسرا نظریہ یہ ہے کہ روس 'بھارت اور ایران مل کر مضبوط اتحاد بنائیں۔ اسی انٹرویو میں انہوں نے کہا امریکہ کی طرف سے ایران کے خلاف خفیہ رقم مخصوص کرنے کا اعلان بلاشبہ نفسیاتی جنگ کا حصہ ہے کیونکہ امریکہ ایران کو ڈرانا اور خوف زدہ کرنا چاہتا ہے' لہٰذا ایران کو اگر اپنی آزادی قائم رکھنا ہے تو اس کی قیمت چکانا ہوگی۔ انہوں نے ایران کی جانب سے بھارت کے ساتھ ہر میدان میں تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ سردست ایران بھارت کی باہمی تجارت آٹھ سو ملین ڈالر سے بڑھ چکی ہے۔ مذکورہ انٹرویو کے مندرجات جب وطن عزیز کی اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئے تو ہر باشعور پاکستانی اس تجویز پہ چونکا کہ ایران کی طرف سے خطے کے ممالک کے اتحاد کی تجویز میں پاکستان کا ذکر تک نہ ہو! یہ صورتحال درپیش ہوتے ہی پاکستانی عوام کی آنکھوں کے سامنے ۱۹۶۵ء کا زمانہ لوٹ آیا اور پاک بھارت جنگ کے وقت ایران کی جانب سے پاکستان کی غیر مشروط لامحدود اور ہر قسم کی انتظامی بندشوں سے قطع نظر تمام دفاعی ضروریات بلا روک ٹوک پوری کرنے کی پیشکش کا ناقابل فراموش عملی احسان کا نقشہ گھوم گیا۔ ایران کی جانب سے ایمانی اخوت کا یہ مظاہرہ قابل دید تھا۔ صرف سننے والے تو مسحور رہتے ہی' دیکھنے والوں کے جذبے کے بیان کے لئے الفاظ قاصر تھے۔ ماضی کی ان حسین یادوں نے لوگوں کو مزید سوچ میں گم کر دیا۔ وہ گھنٹوں اس معمے کا جواب ڈھونڈ نہ پائے کہ اخوت کا قابل فخر جذبہ کیوں ماند پڑ گیا' بھول کس سے ہوئی' کہاں ہوئی اور کیا ہوئی۔ ابھی یہ معمہ واضح طور پر حل نہ ہو پایا تھا کہ اگلے روز ہی علی الصبح پاکستان کے وزیر خارجہ سردار آصف علی نے اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے انکشاف کیا کہ "ایران' بھارت' اور چین کے اتحاد کے سلسلے میں ایرانی وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی کی تجویز میں ہمارے لئے تشویش کی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہئے کہ دنیا بدل چکی ہے۔ ہر آزاد خود مختار ملک کو اپنے مفادات کے مطابق اقدامات کرنے کا حق حاصل ہے۔ ایران اگر اپنے مفادات کے حوالے سے کوئی سوچ رکھتا ہے اور اس کے مطابق اقدام کرتا ہے تو ہم اسے روک نہیں سکتے بالکل اسی طرح جیسے ہم اپنے مفادات کے مطابق اپنی سوچ رکھتے ہیں' مثلاً مغرب کے ساتھ خصوصی تعلقات' ٹریڈ' قرضوں اور دوسری امداد کے حوالے سے ہماری ضروریات ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ یہ ہمارے دوست کے فریم ورک میں بھی ہوں"۔ موجودہ بحث کا مقصد چونکہ صرف دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ ہے جس کی روشنی میں اصلاح آمیز مثبت پہلو تلاش کیا جا سکے لہٰذا ایران کی جانب سے پاک ایران بارڈر پر خاردار تار لگانے اور سرزمین پاکستان کے کسی حصے پر ایرانی فوج کے اترنے کی اطلاعات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف امریکی نائب وزیر خارجہ کے اس بیان پر غور کرتے ہیں کہ "اگر پاکستان کو امریکہ سے دوستی نہیں چاہئے تو امریکہ کو بھی ضرورت نہیں"۔ امریکی وزارت خارجہ کے بااختیار نمائندے کا یہ بیان نظر سے گزرتے ہی مصرع یاد آیا "مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے"۔ بین الاقوامی سطح پر کسی کمزور اور ذیلی ساتھی کا یہی حشر ہوا کرتا ہے جو ہمارا ہوا ہے اور ابھی مزید ہونا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ پہلے ہم اپنا قبلہ پہچانیں۔ کیا واقعی دین ہمارا مدعا ہے؟ کیا ہم واقعی قرارداد مقاصد سے مخلص ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس ذمہ داری کے نبھانے کا بوجھ ایسی قیادت کے سپرد کریں جو اس کی اہل ہو۔ اہل ایمان کے لئے اللہ رب العزت کا یہی واضح حکم ہے۔ جب تک امت مسلمہ خلوص نیت سے اس حکم الٰہی کی مکمل تعمیل کا حق ادا نہیں کرتی اس کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ کے لوٹ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صرف ان شاء اللہ اور ماشاء اللہ گردانتے رہنے سے کام نہیں بن پائے گا۔ جو کرو گے سو بھرو گے اور جو بوؤ گے سو کاٹو گے۔ ولن تجد لسنہ اللہ تبدیلا ○○

قیمت : ۸ روپے

الھدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پھر جب چندھیانے لگے گی آنکھ ○ اور بے نور ہو جائے گا چاند ○ اور اکٹھے کر دیئے جائیں گے چاند اور سورج ○ اس دن یہی آدمی کہے گا کہاں جائیں بھاگ کر ○

(کہ انسان آج تو انتہائی تمسخر و استہزاء کے انداز میں قیامت کے وقت کے بارے میں استفسار کر رہا ہے اور اتنے اہم معاملے کو گویا چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جب وہ وقت معین آ پہنچے گا' جب دیدے پتھرا جائیں گے' جب پورا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا اور چاند کو سورج میں دھنسا دیا جائے گا' تو یہی انسان جو آج انتہائی مغرور اور متمرد ہے' نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں جائے پناہ تلاش کرتا پھرے گا۔ اور تکبر و غرور کا تمام نشہ ہرن ہو جائے گا)

کوئی نہیں' وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہو گی ○ اس دن تیرے رب ہی کے سامنے جا ٹھہرنا ہو گا ○

(لیکن وہاں بچاؤ کی کوئی سبیل نہ ہو گی۔ اس دن خواہی نخواہی اس دربار میں حاضری دینی ہو گی جس کے خیال اور احساس سے عارفین اس دنیا ہی میں لرزاں و ترساں رہتے تھے)

اس دن انسان کو جتلا دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا ○

(کہ دنیا میں تو انسان دوسروں کو بھی فریب دیتا ہے اور خود کو بھی فریب میں مبتلا رکھتا ہے لیکن وہاں سب کیا دھرا سامنے رکھ دیا جائے گا۔ کوئی انتہائی معمولی نیکی کا عمل ہو یا نہایت باریک برائی کا فعل' سب سامنے لے آئے جائیں گے)

بلکہ انسان خود اپنے آپ سے خوب واقف ہے ○ خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے ○

(کہ نامہ اعمال تو محض ضابطے کی کارروائی کے طور پر انسان کے ہاتھ میں تھمایا جائے گا' ورنہ انسان اپنے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے! دوسروں کے سامنے خود کو فرشتہ ثابت کرنے کے لئے خواہ وہ کتنے ہی بہانے بنائے اور کیسے ہی عذر لنگ تراشے' اپنی حالت پر وہ خود پورے طور پر مطلع اور آگاہ ہے)

(سورۃ القیامہ' آیت نمبر ۷ تا ۱۵)

جوامع الکلم

نوعِ انسانی کا ہر فرد صبح کرتا ہے' پھر وہ اپنے آپ کو بیچتا ہے' تو وہ خوش نصیب بھی ہیں جو اپنے آپ کو عذاب آخرت سے بچا لیتے ہیں اور وہ بدبخت بھی ہیں جو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں

(معاش کے لئے جدوجہد ابن آدم کا مقدر ہے' ہر شخص صبح سے شام تک اپنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کو کھپاتا ہے تو بعض خوش نصیب اس دنیا میں حلال پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی صلاحیتوں اور اوقات کو آخرت کمانے میں لگاتے ہیں اور بعض بدبخت اور محروم ایسے بھی ہیں جن کا ہدف اور مقصود محض دنیا کمانا ہے اور اس کے لئے حلال و حرام کی تمیز ان کے نزدیک ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے' یہ لوگ دن بھر کی محنت و مشقت کے بعد رات کو جب گھر لوٹتے ہیں تو بجائے اس کے کہ رحمت و مغفرت کا پروانہ ان کے ہاتھ میں ہو' اپنی بداعمالیوں کے سبب اپنے آپ کو عذاب آخرت کا مستحق بنا کر گھروں کو واپس لوٹتے ہیں)

(رواہ مسلم عن ابی مالک الحارث)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

بانی مدیر: اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۱۳

۲۶/ مارچ ۱۹۹۶ء

7

مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ - اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۸ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/۱ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

پنجاب کا صوبائی دارالحکومت لگ بھگ گزشتہ دو ماہ سے ورلڈ کپ کی تیاریوں اور اس سلسلے کی رنگا رنگ تقریبات کا مرکز بنا ہوا ہے' گو ورلڈ کپ ۱۷/ مارچ کو ختم ہو رہا ہے لیکن اخباری اطلاعات کے مطابق کلچرل شو اور رقص و موسیقی کی وہ محفلیں' جو بھارت کے ہاتھوں پاکستان کی غیر متوقع شکست کے بعد یک لخت ماند پڑ گئی تھیں دوبارہ گرم ہو گئی ہیں' اور ابھی نہ معلوم کب تک یہ سلسلہ دراز ہو گا اس لئے کہ وزیرِ اعلیٰ پنجاب نے یہ فرما کر نہ صرف اس نوع کی بیہودہ تقریبات کے لئے جواز پیدا کر دیا ہے بلکہ ان کے منعقد کرنے والوں کی بھرپور حوصلہ افزائی بھی کی ہے کہ "گھٹن دور کرنے کے لئے اس طرح کے میلے ٹھیلے ہوتے رہنے چاہئیں!" --- ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے!

ہماری تمام تر معلومات کا ماخذ روزانہ کے اخبارات ہی ہیں' ٹی۔وی سے براہ راست "استفادے" کی نوبت کم ہی آتی ہے' اس کے باوجود یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ یہ تقریبات نہایت تباہ کن اور دور رس اثرات کی حامل ثابت ہوں گی۔ ورلڈ کپ کی آڑ میں ہماری معاشرت اور تمدن پر "جیو ورلڈ آرڈر" کی یہ ثقافتی یلغار بلاشبہ ایک ضرب کاری کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سارے کھیل میں جیت ہمارے دشمن یعنی یہود و ہنود کی ہوئی اور ہم ان کا تر نوالہ بلکہ ع "کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوق نخچیری" کا بھرپور مصداق ثابت ہوئے۔ سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ!"

ان جدید دانش ور اور نام نہاد روشن خیال حضرات کو جن کی نگاہیں مغرب کی ظاہری چمک دمک سے خیرہ ہیں' اکثر یہ شکایت رہتی ہے کہ یہاں مذہبی طبقات اور دینی عناصر تو کسی کو ہنستا کھیلتا دیکھ ہی نہیں سکتے۔ بعض اوقات ہمیں ان کی بات پر سچائی کا گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید ہم ہی ہیں جنہیں یہ پوری قوم دکھوں کی ستائی اور رنج و الم میں ڈوبی نظر آتی ہے ورنہ فی الواقع تو سب لوگ مزے میں ہیں! ہم بلاوجہ اپنے جگر میں سارے جہان کا درد سمیٹے پھرتے ہیں' جہان والے تو شاید ہر نوع کے غم سے آزاد' خوشیوں کے شادیانے بجا رہے ہیں!!! ------ واضح رہے کہ لوگوں کو ہنستے مسکراتے دیکھنا ہمیں قطعاً برا نہیں لگتا' ہماری تشویش اور گرانی کا باعث دراصل گرد و پیش کے حالات اور وہ خبریں' اطلاعات اور تبصرے ہوتے ہیں جو روزانہ قومی اخبارات کی زینت بنتے اور ہر خاص و عام کی نگاہ سے گزرتے ہیں۔ چنانچہ پھر جب ہم حقائق پر نگاہ ڈالتے ہیں' اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں اور اخباری اطلاعات اور تجزیوں کے بین السطور جھانکنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے وہ تشویش بھرے تاثرات پھر عود کر آتے ہیں۔ کیا ہمارے تمام قومی اخبارات میں چند سال قبل تک کراچی کو "روشنیوں کا شہر" قرار نہیں دیا جاتا تھا' لیکن اسی روشنیوں کے شہر میں گزشتہ برسوں کے دوران اہل شہر پر جو کچھ گزری ہے' کیا ہمارے لئے اس میں عبرت کا کوئی سامان نہیں ہے؟ کیا وہ پر سکون اور پر کشش شہر خوف و افلاس کے دبیز پردوں میں چھپ نہیں گیا جہاں بیروزگاری اور احساس محرومی کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے یک بیک دہشت گردی' ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری کے مہیب عفریت کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ وہ انتہائی پر رونق بستی دیکھتے ہی دیکھتے ویرانی کا نقشہ پیش کرنے لگی! اوقتی طور پر ریاستی جبر کے باعث اگرچہ قتل و غارت گری کے واقعات میں بظاہر نمایاں کمی نظر آتی ہے لیکن ہر اہل نظر جانتا ہے کہ حالات بحیثیت مجموعی جوں کے توں ہیں' بہتری کی کوئی پائیدار صورت ابھی تک نہیں بن آئی۔

ملک کے دیگر شہروں اور علاقوں کے حالات اور امن عامہ کی صورتحال بھی ہرگز قابل رشک نہیں ہے' اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے' کم و بیش ہر شخص واقف ہے' لیکن ان حالات میں کوئی بھی ہوش مند شخص جشن منانے اور راگ و رنگ کی محفلیں سجانے کا جواز پیدا نہیں کر سکتا' قطع نظر اس سے کہ اسلام کی رو سے عریانی اور فحاشی کو فروغ دینا قابل مذمت ہی نہیں' ناقابل معافی جرم بھی ہے! اس تناظر میں جماعت اسلامی کا اس کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان یقیناً ایک خوش آئند قدم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں عریانی اور فحاشی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے پس پردہ اصل اسباب کو بھی دیکھنا ہو گا۔ عام طور پر یہی سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ امریکہ کو "خوش" کرنے کے لئے ہو رہا ہے۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے لیکن سارا الزام امریکہ کو دے کر خود کو بری سمجھنا بھی تو صحیح روش نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ فسق و فجور ہمارے اپنے اندر رچا بسا ہوا ہے۔ دجالی فتنے کے اس پھندے میں ہماری ایک عظیم اکثریت برضا و رغبت گرفتار ہے۔ فحاشی و عریانی کے اس سیلاب کا خیر مقدم کرنے والوں کی ہمارے ہاں کوئی کمی نہیں۔ جب تک حرام کی کمائی ہوئی دولت کے انبار اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ختم نہیں ہو گا اور اسلامی نظام یعنی نظام خلافت صحیح معنوں میں قائم نہیں ہو گا' عریانی اور فحاشی کے خاتمے کی توقع رکھنا خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں' اس لئے کہ حرام اور لوٹ مار سے حاصل ہونے والی دولت کا اصل مصرف یہی کچھ تو ہے! ○○

تاریخ کا جبر ہماری قومی زندگی کے سفینے کو کھلے اور عریاں سیکولرزم کی جانب دھکیل دے گا!

قائداعظم اور مسلم لیگ کا یہ احسان بھی کوئی کم نہیں کہ انہوں نے پاکستان بنوا دیا

فیڈرل شریعت کورٹ نے عظیم فیصلہ صادر کر کے اس ملک میں دو عملی کے مزید جاری رہنے کو ناممکن بنا دیا ہے

پاکستان کے موجودہ حالات۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی نوائے وقت میں شائع شدہ دسمبر ۱۹۹۲ء کی ایک تحریر کے آئینے میں!

چند ماہ قبل ان کالموں میں عرض کیا گیا تھا کہ پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں نے جو حکمت عملی اختیار کی اس کے نتیجے میں یہاں ایک تعطل کی سی کیفیت پیدا ہو گئی کہ نہ موجودہ دنیا کے عام رجحانات کے مطابق سیکولرزم' نیشنلزم اور فلاحی مقاصد کی جانب پیش قدمی ہو سکی' نہ فیصلہ کن انداز میں دین و مذہب ہی کے رخ کو اختیار کیا جا سکا اور اگرچہ بعض مذہبی حلقے یہ کریڈٹ لیتے ہیں کہ ملک اور معاشرہ کو خالص سیکولرزم کی جانب بگٹٹ دوڑنے سے روک لینا ہماری بڑی کامیابی ہے اور ان کا یہ دعویٰ ایک حد تک درست بھی ہے' لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو تعطل کی اس کیفیت کا زیادہ دیر تک برقرار رہنا ملک و قوم دونوں کے حق میں نہایت مضر اور تشویشناک ہے۔

> "مسلم لیگ اور اس کی مرکزی حکومت اس وقت ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جسے فیڈرل شریعت کورٹ کے سود سے متعلق تاریخ ساز فیصلے نے فیصلہ کن بنا دیا ہے! اس لئے کہ مسلم لیگ کا اگر کوئی تھوڑا بہت عوامی "بھرم" ہے تو وہ صرف اسلام اور نظریہ پاکستان کے حوالے سے ہے"

پاکستانی سیاست کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھنے والا ہر شخص محسوس کر رہا ہے کہ پچھلے دو ایک ماہ سے یہ صورت تیزی کے ساتھ بدل رہی ہے اور ہم قومی اعتبار سے اس دوراہے پر پہنچ گئے ہیں جہاں "یا چناں کن یا چنیں" کے انداز میں صاف اور اعلانیہ سیکولرزم اور اسلامی فنڈامینٹلزم میں سے ایک راستے کا انتخاب ناگزیر ہے اور خواہ کسی کی سیاسی مصلحتیں اس کی کتنی ہی متقاضی ہوں' منافقانہ دو عملی کی اس روش کا برقرار رکھنا اب تقریباً ناممکن ہو گیا ہے جس پر ہم من حیث القوم اب تک عمل پیرا رہے ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ "سیکولرزم" سے ہماری مراد "لامذہبیت" ہرگز نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک سیکولرزم کو "ہمہ مذہبیت" قرار دیا جانا چاہئے' اس لئے کہ اس میں شہریوں کے ذاتی اور نجی معاملے کی حیثیت سے جملہ مذاہب کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ اپنی حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے سیکولرزم کو "لادینیت" سے تعبیر کرنا یقیناً درست ہے۔ (بقول اقبال۔ "لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو!") اس لئے کہ اس نظام میں ملک و قوم کے اجتماعی معاملات یعنی دستور و قانون' سماجی و معاشرتی اقدار اور معاشی و سیاسی نظام کی سطح پر کسی بھی مذہب یا آسمانی ہدایت کی پابندی کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور جملہ مذاہب کو شہریوں کا صرف نجی معاملہ قرار دے کر' کم از کم دستوری اور قانونی اعتبار سے' مساوی قرار دے دیا جاتا ہے!

اس نقطہ نظر کے برعکس جس چیز کو آج "فنڈامینٹلزم" سے تعبیر کیا جا رہا ہے وہ کسی قوم یا گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارا مذہب دراصل مذہب نہیں "دین" ہے' جو ایک کامل ضابطہ حیات ہونے کے ناتے زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں دائروں پر اپنی مکمل حکمرانی چاہتا ہے اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ وہ دعویٰ ہے جو موجودہ دنیا میں صرف مسلمانوں اور ان کی بھی صرف بعض "احیائی تحریکوں" کی جانب سے کیا جا رہا ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان عوام کی اکثریت حتیٰ کہ بعض موثر و موقر مذہبی حلقے بھی صدیوں کے تعامل اور خاص طور پر ڈیڑھ دو صدی کی مغربی اقوام کی غلامی کے باعث اسلام کے محدود مذہبی تصور کو ذہناً اور عملاً قبول کئے ہوئے ہیں!۔ گویا دنیا میں جس نئے تصادم کی پیش گوئی علامہ اقبال مرحوم نے اب سے ساٹھ ستر سال قبل اپنے ان اشعار میں کی تھی کہ۔

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پا مردی مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اس میں ایک جانب سیکولرزم اور لبرلزم کے پردے میں "ابلیسیت" کی عالمگیر قوت ہے تو دوسری جانب عالم اسلامی کی صرف احیائی اسلامی تحریکیں اور ان کے زیر اثر عوام کے محدود حلقے! گویا معاملہ وہی ہے کہ۔

"الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے!"

اس عالمی تناظر میں اگر نگاہوں کو پاکستان کے قومی منظر پر مرکوز کر دیا جائے تو جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ: ایک جانب ایک بڑی سیاسی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی ہے جس کا عوامی اثر و رسوخ بھی قابل لحاظ ہے

اور واقعہ یہ ہے کہ یہی اس وقت ملک کی واحد' واقعی اور عملی اپوزیشن پارٹی کا رول ادا کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بائیں بازو کی دوسری متعدد چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں جن کی اکثریت حال ہی میں این ڈی اے کے نام سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئی ہے' اگرچہ ان کی مجموعی حیثیت اور اہمیت بھی قابل لحاظ نہیں ہے۔ تاہم پیپلز پارٹی کی طرح یہ سب بھی کھلم کھلا اور اعلانیہ طور پر سیکولرزم' لبرلزم' نیشنلزم کی قائل ہی نہیں باضابطہ پرچارک ہیں' (اس وقت صرف سرحد کی اے این پی' جو اصلاً تو اسی قبیل کی شے ہے' کچھ ذاتی رنجشوں اور وقتی مصلحتوں کے باعث اس حلقے سے باہر رہ گئی ہے!) اور ان تمام جماعتوں کو اس بات کا کریڈٹ بہرحال دیا جانا چاہئے کہ وہ منافقت سے کام نہیں لیتیں بلکہ اپنے نظریات اور ترجیحات کا اظہار اعلانیہ اور برملا کرتی ہیں!..... دوسری جانب کچھ مذہبی جماعتیں ہیں جو شریعت کی غیر مشروط اور بلااستثناء بالادستی کی علمبردار ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو آئی جے آئی میں شامل ہی نہیں ہوئی تھیں اور بعض وہ ہیں جو اس اتحاد میں شامل ہو کر کچھ اس کے سہارے چند اضافی سیٹیں حاصل کر کے اور کچھ اپنی امداد سے مسلم لیگ کو بعض اہم سیٹیں دلوا کر موجودہ حکومت کو برسراقتدار لانے میں تو شریک تھیں لیکن بعد میں اس کی پالیسی سے مایوس ہو کر ایک ایک کر کے علیحدہ ہوتی چلی گئیں.....

بہرحال اس وقت وہ سب بھی حکومت سے باہر ہیں' اگرچہ باضابطہ "اپوزیشن" نہیں کہلا سکتیں۔ درمیان میں مسلم لیگ اور اس کی مرکزی حکومت ہے جو اس وقت ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جسے فیڈرل شریعت کورٹ کے سود سے متعلق تاریخ ساز فیصلے نے فیصلہ کن بنا دیا ہے! اس لئے کہ مسلم لیگ کا اگر کوئی تھوڑا بہت عوامی "بھرم" ہے تو وہ صرف اسلام اور نظریہ پاکستان کے حوالے سے ہے اور فیڈرل شریعت کورٹ نے بنک انٹرسٹ کو بھی (بالکل بجاطور پر) ربا قرار دیدیا ہے جو شریعت اسلامی کے رو سے صرف حرام ہی نہیں' تمام حرام چیزوں میں سب سے بڑھ کر ہے' جبکہ مسلم لیگ کی حکومت کو ملک کے معاشی استحکام اور عوام کی خوشحالی کا واحد راستہ یہ نظر آتا ہے کہ مغرب کی آزاد معیشت اور مارکٹ اکانومی کو اس کے جملہ لوازم سمیت جوں کا توں اختیار کر کے بیرونی سرمایہ کو پاکستان آنے کی دعوت دی جائے! الغرض ایک شدید مخمصہ ہے جس سے موجودہ حکومت دوچار ہو گئی ہے..... مزید برآں اس معاملے میں زیادہ دیر تک تذبذب اور گومگو میں گرفتار رہنے کی صورت میں بھی "سیاسی موت" یقینی نظر آ رہی ہے۔

اندریں حالات نظر یہی آ رہا ہے کہ تاریخ کا جبر ہماری قومی زندگی کے سفینے کو کھلے اور عریاں سیکولرزم کی جانب دھکیل دے گا اور کم از کم فوری اور عارضی طور پر پاکستانی قوم بھی عملاً وہی راستہ اختیار کر لے گی جو اب سے ستر برس قبل ترک قوم نے مصطفیٰ کمال پاشا کی زیر قیادت اختیار کیا تھا۔ (سوائے ان چند انتہا پسندانہ اقدامات کے جو ردعمل کی شدت کے مظہر تھے جیسے عربی زبان سے بیزاری' رسم الخط کی تبدیلی اور یورپی لباس کا لزوم وغیرہ۔)

اب اس سے قبل کہ اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ اگر یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا تو اس کے فوری اور دیرپا نتائج کیا ہوں گے' ایک نظر اس پر بھی ڈال لی جائے کہ اسلام کے بلند بانگ دعوؤں اور "پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالہ الا اللہ!" کے فلک شگاف نعروں کی بنیاد پر وجود میں آنے والے ملک میں اس حادثے کے اسباب کیا ہیں؟۔ ہمارے نزدیک اس کے دو اسباب تو۔

"نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں!"

کے مصداق طویل تاریخی پس منظر کے حامل ہیں اور ایک سبب فوری اور حالیہ ہے۔

مقدم الذکر اسباب میں سے پہلا یہ ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کروا کر پاکستان کو منصہ شہود پر لانے والی جماعت مسلم لیگ اپنے مزاج اور اجزائے ترکیبی کے اعتبار سے خالص سیکولر قومی جماعت تھی اور جیسے کہ ہم کچھ عرصہ قبل ان کالموں میں عرض کر چکے ہیں تحریک پاکستان کا اصل اور فیصلہ کن جذبہ محرکہ "دفاعی" تھا "احیائی" نہیں! چنانچہ یہی حقیقت ہے جسے حال ہی میں ایک وفاقی وزیر مملکت نے ذرا ڈھکے چھپے انداز میں یوں بیان کیا ہے کہ : "پاکستان اسلام کے لئے وجود میں آیا تھا' بنیاد پرستی کے لئے نہیں!"..... اور بعض دوسرے زیادہ جری اور بے باک مسلم لیگی لیڈر بغیر کسی لگی لپٹی کے ان الفاظ میں بھی کہہ دیتے ہیں کہ "پاکستان مسلمانوں کے لئے بنایا گیا تھا' اسلام کے لئے نہیں!"

ہم اس وقت بحمد اللہ اپنی قومی زندگی کے پینتالیس سال پورے کر چکے ہیں گویا از روئے قرآن (سورہ احقاف آیت ۱۵) ہمیں قومی اعتبار سے شعوری بلوغ کی عمر کو پہنچے پانچ سال ہو چکے ہیں لہٰذا اب ہمیں اس قابل ہونا چاہئے کہ حقائق کے ادراک' اعتراف اور اظہار و اعلان میں کوئی باک محسوس نہ کریں۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سیکولر ذہن اور مزاج کے حامل انسان تھے۔ چنانچہ ان کی ۱۱/اگست ۴۷ء کی تقریر کا یہ جملہ اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ : "عنقریب یہاں (پاکستان میں) نہ ہندو ہندو رہیں گے' نہ مسلمان مسلمان رہیں گے' مذہبی اعتبار سے نہیں' اس لئے کہ مذہب تو افراد کا نجی معاملہ ہوتا ہے' بلکہ سیاسی اعتبار سے!" اور ظاہر ہے کہ سیکولرزم کی اس سے زیادہ جامع اور مانع تعریف ممکن نہیں ہے!

قائداعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے زعماء نے اسلام کا نعرہ ضرور لگایا تھا لیکن ایک تو ان کا تصور اسلام یا اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات سے عبارت تھا یا زیادہ تر "حریت' اخوت اور مساوات" پر مبنی سماجی عدل سے' شریعت کے تفصیلی احکام یا حدود و تعزیرات کو اس میں کوئی اہم مقام حاصل نہیں تھا۔ دوسرے اس نعرے سے اصل مقصود مسلمان قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا تھا جس کے بغیر ان کے تہذیبی و ثقافتی تشخص کے بقاء اور دنیوی فلاح و بہبود کی جنگ ہرگز نہیں لڑی جا سکتی تھی۔ لیکن اس جنگ سے اصل مقصود بہرصورت مسلمان قوم کا "دفاع" اور اسے ہندو اکثریت کے تہذیبی غلبے اور معاشی استحصال سے بچانا تھا اور یہ مقصد بھی ہرگز نہ غلط تھا نہ گھٹیا۔ اس لئے کہ انبیاء اور رسولوں کی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر (حضرت موسیٰ) کو بنیادی طور پر ایک بگڑی ہوئی مسلمان قوم (بنی

> **"اس داستان کا المناک ترین باب یہ ہے کہ ایک خالص احیائی تحریک بھی' جو ۴۱ء۔۴۰ء میں قومی جدوجہد کو "غیر اسلامی" قرار دے کر خالص اصولی' اسلامی انقلابی جدوجہد کی راہ پر گامزن ہوئی تھی' قیام پاکستان کے بعد اپنا اصولی اسلامی انقلابی لباس اتار کر ملکی سیاست کے حمام اور کشاکش اقتدار کے اکھاڑے میں داخل ہو گئی"**

اسرائیل) کو غلامی کے شکنجے سے نجات دلانے کے لئے ہی مبعوث فرمایا تھا مزید برآں قائداعظم اور ان کے رفقاء ہرگز نہ جھوٹے تھے نہ دغاباز بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ جب مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل آزاد مملکت وجود میں آ جائے گی تو اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیاء اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کی راہ بھی ہموار ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ جب سیکولر سیاست کے اصول کے مطابق بھی قانون سازی کا اختیار اکثریت ہی کو حاصل ہو گا تو قوانین شریعت کے نفاذ میں بھی کوئی خارجی رکاوٹ حائل نہیں رہے گی!

> "ایک جانب کچھ "مذہبی شوبوائے" بھی کھڑے کر رکھے ہیں جو وقفہ وقفہ سے شریعت کی کامل بالادستی والی دستوری ترمیم کی نوید قوم کو سناتے رہتے ہیں اور دوسری جانب اپنے کچھ دوسرے ساتھیوں کو آزادی دی ہوئی ہے کہ صرف ملائیت اور فنڈا مِنٹلزم کو گالیاں دیں' اور کھلم کھلا شریعت کے احکام کی مخالفت کریں"

بایں ہمہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ تحریک پاکستان ہرگز کوئی مذہبی تحریک نہیں تھی' بلکہ صرف قومی تحریک تھی اور مسلم لیگ ہرگز مذہبی یا احیائی جماعت نہیں تھی بلکہ سیکولر مزاج کی تنظیم تھی' یہی وجہ ہے کہ اس میں کمیونسٹ بھی شامل تھے اور دہریئے بھی اور صرف شیعہ اور سنی ہی نہیں' آغا خانی بھی شریک تھے اور قادیانی بھی!

حاصل کلام یہ کہ..... قائداعظم اور مسلم لیگ کا مسلمانان ہند پر یہ احسان بھی بہت بڑا ہے کہ انہوں نے پاکستان بنوا دیا اور مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت دلوادی' اب اسے حقیقی معنی میں اسلامی ریاست بنانا اس ملک کے عوام کا کام تھا' یا بالخصوص دینی اور مذہبی جماعتوں کا!..... اور ان میں بھی سب سے بڑھ کر "احیائی تحریکوں" کا!!

اگر یہ اندیشہ کہ مستقبل قریب میں پاکستان سطحی مذہبیت کا لبادہ اتار کر عریاں سیکولرزم کی راہ اختیار کر لے گا درست ثابت ہوا تو اس کا دوسرا اور زیادہ قابل افسوس تاریخی سبب یہ ہو گا کہ ملک کی مذہبی اور دینی جماعتوں نے قوم کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقوں میں ذہنی انقلاب برپا کرنے' عوام کے اخلاق اور سیرت و کردار کی تطہیر و تعمیر' اور دین کے حق میں ایک منظم اور تربیت یافتہ رائے عامہ بیدار کرنے کے کٹھن اور محنت طلب کام کو چھوڑ کر مسلم لیگ ہی کی وراثت یعنی "اسلام کے نعرے" کو اپنا کر سیاست کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا اور اس داستان کا المناک ترین باب یہ ہے کہ ایک خالص احیائی تحریک بھی' جو ۱۹۴۱ء-۱۹۴۷ء میں قومی جدوجہد کو "غیر اسلامی" قرار دے کر خالص اصولی' اسلامی انقلابی جدوجہد کی راہ پر گامزن ہوئی تھی' قیام پاکستان کے بعد اپنا اصولی اسلامی انقلابی لباس اتار کر ملکی سیاست کے حمام اور کشاکش اقتدار کے اکھاڑے میں داخل ہو گئی۔

ان جملہ مذہبی اور دینی جماعتوں کی ۱۹۷۷ء تک کی تیس سالہ مساعی کا کل حاصل یا تو قرار داد مقاصد تھی جو دستور ملکی میں محض "دیباچہ" کی حیثیت سے شامل تھی' یا چند مزید "رہنما اصول" تھے جن کی حیثیت "وعدہ فردا" کے سوا کچھ نہیں تھی' یا پھر عوام میں اسلام کا بلند بانگ نعرہ تھا جو پی این اے کی تحریک المعروف بہ "تحریک نظام مصطفیٰ" میں اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا تھا! جسے ایک چیف آف دی آرمی سٹاف نے اپنا متبنیٰ بنا کر ایوان حکومت میں لا بٹھایا اور پھر اس کے "سرپرست" کی حیثیت سے پورے گیارہ برس تک کوس لمن الملک بجایا اور اس دوران میں اسلام کے نعرے کی سرپرستی کے جواز کے طور پر ایک تو قرار داد مقاصد کا رتبہ کسی قدر بلند کر دیا کہ اسے دستور کا جزو بنا دیا' لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ اس کی متضاد دفعات کو بھی منسوخ نہیں کیا..... دوسرے فیڈرل شریعت کورٹ بنا دی' لیکن یہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ اسے دو ہتھکڑیاں بھی پہنا دیں (یعنی عائلی اور مالی قوانین کے ضمن میں پابندی) اور دو بیڑیاں بھی (یعنی ملکی دستور اور عدالتی قواعد کا استثناء) تاکہ اسلام کا نعرہ بھی برقرار بلکہ سدا بہار رہے اور "گلشن کا کاروبار" بھی جوں کا توں چلتا رہے..... اور اس میں بھی کوئی رکاوٹ واقع نہ ہو۔ اس پورے معاملے میں کمی صرف یہ رہ گئی تھی کہ ان میں سے ایک ہتھکڑی "موقت" تھی جو مدت معینہ کے گزر جانے سے خود بخود کھل گئی۔ چنانچہ فیڈرل شریعت کورٹ نے وہ عظیم فیصلہ صادر کر دیا جس نے اس ملک میں دو عملی کے مزید جاری رہنے کو ناممکن بنا دیا ہے'..... اور فیصلہ کن دوراہا عین سامنے لا کھڑا کیا ہے!

چنانچہ یہی ہے وہ فوری اور حالیہ سبب جس کے باعث موجودہ مسلم لیگی قیادت سخت مخمصہ میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس کے لئے "یا چناں کن یا چنیں" کے حتمی اور قطعی فیصلے کو موخر یا ملتوی کرنا ممکن نہیں رہا۔ ساتھ ہی اس مخمصے کو موجودہ عالمی حالات نے نہایت گھمبیر بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ موجودہ دنیا "بائی پولر" کی بجائے "یونی پولر" بن چکی ہے اور امریکہ کو دو سپر پاورز میں سے ایک کی بجائے دنیا کی واحد سپریم پاور کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک جانب چھوٹے ملکوں کے "آپشن" بہت محدود ہو گئے ہیں اور دوسری جانب امریکہ اپنے نظریات اور اصول' اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی صوابدید اور ترجیحات کو پوری دنیا پر مسلط کرنے پر تلا ہوا ہے اور اپنے سیاسی فیصلوں کو اقوام متحدہ اور اپنی معاشی حکمت عملی کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعے ترقی پذیر یا صحیح تر الفاظ میں غیر ترقی یافتہ ممالک پر زبردستی ٹھونسنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے! لہٰذا ان حالات میں امریکہ کی مخالفت اور مقابلے کی باتیں زبان سے کرنا تو آسان ہے' عملاً صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ یا تو قطعی مایوسی اور فرسٹریشن میں "تنگ آمد بجنگ آمد" والا معاملہ ہو جائے یا ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کی بنا پر وہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ۔ "مخصر مرنے پہ ہو جس کی امید۔ ناامیدی اس کی دیکھا چاہیئے!"۔

لہٰذا اگرچہ موجودہ قیادت نے فی الحال مروجہ میکیاویلین سیاست کے اصولوں کے مطابق اپنے لئے دونوں راستے کھلے رکھے ہوئے ہیں' یعنی ایک جانب کچھ "مذہبی شوبوائے" بھی کھڑے کر رکھے ہیں جو وقفہ وقفہ سے شریعت کی کامل بالادستی والی دستوری ترمیم کی نوید قوم کو سناتے رہتے ہیں کہ۔ "آتے آتے یونہی دم بھر کو رکی ہو گی بہار۔ جاتے جاتے یونہی پل بھر کو خزاں ٹھہری ہے!" تاکہ اس کا امکان برقرار رہے کہ اگر کسی سبب سے اقتدار کی زمین قدموں تلے سے کھسکتی محسوس ہو تو اس ترمیم کا بل اسمبلی میں پیش کر کے' اس کی نامنظوری کا الزام اپوزیشن پر ڈال کر خود اگلے راؤنڈ کے لئے "شہید شریعت" کی صورت اختیار کر سکیں..... اور دوسری جانب اپنے کچھ دوسرے ساتھیوں کو آزادی دی ہوئی ہے کہ نہ صرف ملائیت اور فنڈا مِنٹلزم کو گالیاں دیں' اور کھلم کھلا شریعت کے احکام کی مخالفت کریں'..... بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ

کر فیڈرل شریعت کورٹ سمیت دستور میں جو دوسری غیر موثر مذہبی دفعات کسی طرح در آئی ہیں ان سب کی بھی بساط کو الٹ کر رکھ دینے کے عزم کا اعلان کریں!

اس قسم کی تمام باتیں اس وقت جس دھڑلے سے کی جارہی ہیں اس کے دو پہلو قابل توجہ ہیں! ایک یہ کہ ان کے کہنے والوں کا ملکی کھونٹا بھی یقیناً مضبوط ہے اور دوسرے یہ کہ ان کی یہ راگنی اس وقت پوری دنیا کے راگ کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور جس عالمی تہذیب کا اس وقت کرۂ ارضی پر غلبہ اور قبضہ ہے ان کا موقف اس کے ساتھ کامل موافقت کا حامل ہے! جبکہ اس کے برعکس اسلامی فنڈامنٹلزم کے خلاف فراعنہ وقت اسی اندیشے اور خوف کی بنا پر اپنی جملہ قوتوں کو بروئے کار لارہے ہیں جس کا ذکر سورہ طٰہ کی آیت ۶۳ میں ہوا ہے یعنی یہ کہ اس سے ہماری "مثالی" تہذیب و ثقافت اور "اعلیٰ" اقدار حیات کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ (اگرچہ ان کی نئی اسٹریٹجی یہ ہے کہ خود پس منظر میں رہ کر اور غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ کر مسلمان ممالک کے سیکولر اور لبرل عناصر ہی کو اپنے اپنے ملکوں کی فنڈامنٹلزم قوتوں کے خلاف اکسایا بھی جائے اور مدد بھی دی جائے)۔

ان حالات میں واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ قابل معافی ہیں جنہیں اس وقت صرف ایک ہی آپشن کھلا نظر آرہا ہے' اور محسوس یہ ہوتا ہے کہ قوم یہی راستہ اختیار کرلے گی خواہ ایسا موجودہ مسلم لیگی قیادت کے ذریعے ہو' خواہ کسی متبادل سیاسی قیادت کے ذریعے' خواہ کسی تیسری قوت کے زیر قیادت!

اب آیئے کہ ایک نظر اس کے ایک ممکنہ نتائج پر بھی ڈال لیں...... ان سطور کے راقم کو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ اگر پاکستان کی مسلمان قوم اس رخ کو مستقل طور پر اختیار کرلے تو پاکستان کا جواز ختم ہو جائے گا..... اور خاکم بدہن' نہ صرف یہ کہ ملک شکست و ریخت کا شکار ہو کر دنیا کے نقشے سے اسی طرح غائب ہو جائے گا جیسے حال ہی میں سویت یونین ہو چکی ہے' بلکہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!" کے فلک شگاف نعروں کی صورت میں کیے گئے عوامی اور اجتماعی عہد سے بیوفائی اور غداری کی سزا ایسے عبرتناک عذاب کی صورت میں ملے گی کہ ۷۱ء کی ذلت اور رسوائی بھی ماند پڑ جائے گی..... لیکن راقم کو گزشتہ چار صدیوں کی تاریخ اور مستقبل کے لئے نبی اکرمؐ کی پیش گوئیوں کی بنا پر یقین ہے کہ پاکستان کی قومی زندگی کا یہ دور عارضی ہو گا اور اس کے شر سے ان شاء اللہ جلد ہی یہ خیر برآمد ہو گا کہ یہاں کی مذہبی اور بالخصوص احیائی قوتوں کو "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!"..... اور "تو نے اچھا ہی کیا دوست سہارا نہ دیا۔ مجھ کو لغزش کی ضرورت تھی سنبھلنے کے لئے!" کے مصداق ہوش آجائے گا اور وہ اپنے طریق کار پر نظر ثانی کے لئے آمادہ ہو جائیں گی اور وہ صورت پیدا ہو جائے گی کہ۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

> "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!"
> کے فلک شگاف نعروں کی صورت میں
> کیے گئے عوامی اور اجتماعی عہد سے
> بیوفائی اور غداری کی سزا ایسے عبرتناک
> عذاب کی صورت میں ملے گی کہ ۷۱ء
> کی ذلت اور رسوائی بھی ماند پڑ جائے گی

اور اگر ایسا ہو جائے تو بحمد اللہ اس قوم کے پاس قافلہ ملت کے حدی خواں' مصور پاکستان اور مجدد فکر اسلامی علامہ اقبال کے احیائی نظریات اور تصورات اور انقلابی جذبے کی بیش قیمت متاع بھی موجود ہے۔ پھر اس کے عوام کے سواد اعظم کے دلوں میں عشق مصطفیٰؐ کی وہ دولت بھی موجود ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ۔ "ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست۔ بحر و بر در گوشہ دامان اوست!"..... پھر مختلف تبلیغی اور دعوتی تحریکوں کا سرمایہ تدین و تقویٰ بھی ہے جو اگر صرف ایک قدم آگے بڑھا لے یعنی "امر بالمعروف" کے ساتھ ساتھ "نہی عن المنکر" کو بھی عملاً اختیار کرلے تو فنڈامنٹلزم کے حق میں عوامی قوت کا ایک عظیم سیلاب آسکتا ہے'..... اور سب سے بڑھ کر مختلف احیائی تحریکوں کے پرجوش اور منظم کارکنوں کی موثر قوت بھی موجود ہے جسے صرف رخ کی تبدیلی کے ذریعے "فیصلہ کن" بنایا جا سکتا ہے! چنانچہ اس کے کچھ آثار نظر بھی آرہے ہیں' اگرچہ ایک نئے خطرے کے ریڈ سگنل کے ساتھ!..... یعنی یہ کہ جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی دونوں کے معتبر اور موثر حلقوں میں انتخابی سیاست سے تو مایوسی اور بیزاری پیدا ہو رہی ہے... لیکن اندیشہ یہ ہے کہ انہیں واحد متبادل راستہ دنیا کے مروجہ طریقوں کے مطابق صرف "کلاشنکوفی سیاست" کا نظر آرہا ہے..... اللہ کرے کہ ہمارا یہ اندازہ غلط ہو' لیکن اگر خدانخواستہ یہ صورت پیدا ہو گئی تو آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والی بات ہو گی اور احیاء اسلام کے مقصد کے اعتبار سے یہ راستہ شاید پہلی روش سے بھی بڑھ کر مضر اور نقصان دہ ثابت ہو اور غیر تربیت یافتہ اور غیر منظم لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھیار تھما دینے سے شاید اس پوری صدی کے دوران کی جانے والی احیائی مساعی ملیامیٹ ہو کر رہ جائیں!.....بنابریں ہمارے لئے واحد نجات راہ اور لائحہ عمل "منہج انقلاب نبویؐ" ہے' چنانچہ اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت' اسلامی انقلاب کی فکری اساس'..... اور انقلاب محمدیؐ کے دعوتی اور تنظیمی اسالیب کے بعد ان شاء اللہ آئندہ صحبت میں "انقلابی تربیت کا نبویؐ طریق" کے موضوع پر گفتگو ہو گی!

خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ ... علیؓ مرتضیٰؓ

اب کتابی صورت میں دستیاب ہے

صفحات ۵۲' عمدہ طباعت' قیمت (اشاعت عام)۔/۷ روپے

ناشر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

اسلام کے دشمن دراصل انسانیت کے دشمن ہیں

مسلمان قوم آج انتہائی نامساعد حالات میں گھر گئی ہے

جو ظلم آزادی کے بعد مسلمانوں پر توڑا گیا وہ کسی اور قوم پر ڈھایا جاتا تو وہ اپنا مذہب ہی بدل ڈالتی

ہمارے درمیان کچھ ابن الوقت اور نام نہاد مسلمان دنیا کی حرص میں اسلام دشمن طاقتوں کی خوشامد میں لگے ہوئے ہیں

تحریر : محمد ابراہیم انصاری

۱۹۷۹ء میں ناگ پور میں اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔ جس میں متعدد بیرونی ممالک سے بھی دین کے وفادار نوجوان شریک تھے۔ مجدد عصر مولانا مودودیؒ حال ہی میں رحلت فرما چکے تھے۔ ایران میں اسلامی انقلاب آ چکا تھا۔ کمیونزم کا خونخوار ریچھ افغانستان میں داخل ہو چکا تھا اور اسلام کے شیر بھی کچھاروں سے نکل کر مقابل آ چکے تھے۔ دنیا کی ایک زبردست عالمی قوت ایک کمزور مسلمان کو ختم کرنے کے لئے در آئی تھی لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ اب اس کے آمری ایمپائر کی اینٹ سے اینٹ بجنے والی ہے۔ وطن عزیز میں جنتا پارٹی کی حکومت ٹوٹ چکی تھی اور اندرا گاندھی کی دوبارہ آمد آمد تھی۔ جماعت اسلامی کے جادو بیان مقررین سید حامد حسینؒ اور سید حامد علیؒ کانفرنس میں پہنچ چکے تھے۔ آر ایس ایس کے گڑھ ناگپور کی تاریخ میں نوجوانوں کا اتنا ولولہ خیز اجتماع کبھی نہیں ہوا تھا۔

میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ یہ بزرگ ۱۹۴۷ء میں راولپنڈی سے منتقل ہو کر یہاں بس گئے تھے۔ روزانہ ان سے گفتگو رہتی۔ ایک روز مجھ سے فرمانے لگے "میں جب راولپنڈی میں تھا تو والدین ہمیشہ تاکید کرتے کہ بیٹا دوستی ہمیشہ مسلمان سے کرنا۔ وقت پڑنے پر وہ تمہارے لئے جان بھی دے دیں گے۔ انہیں آپ کی قوم سے بڑی عقیدت تھی لیکن اب جو یہاں مسلمانوں کا حال دیکھتا ہوں تو بڑا صدمہ ہوتا ہے اتنی پستی اور ذلت کا شکار' رہائش گندی بستیوں میں ہے' تعلیم و تجارت سے کوسوں دور ہے' کبھی کے صنعت و حرفت کے ماہر اب ہر انڈسٹری سے باہر ہیں آخر اس نصف صدی میں مسلمان اتنا پسماندہ کیسے ہو گیا ہے میں اپنی نوجوانی کے دور اور آج کے حالات پر غور کر کے بہت پریشان ہو جاتا ہوں"۔

یہ صورتحال آج ہر مسلمان کے لئے بڑی تشویش کا باعث ہے ہر سوچنے والے کے لئے اندوہناک ہے یہاں تک کہ انصاف پسند غیر مسلم برادران وطن بھی اس پر دکھی ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان تاریخ کے اس نازک موڑ پر اپنی پوزیشن کو سمجھے' اپنی خامیوں اور خوبیوں کا بغور جائزہ لے۔ دوست و دشمن میں تمیز کرے اور اپنے خلاف برپا سنگین حالات کو بدل ڈالنے کے لئے نبرد آزما ہو جائے کیونکہ بہرحال اپنی جدوجہد کے بغیر کسی قوم کی حالت بدل نہیں سکتی۔ میں نے اپنے محدود مطالعے کے باعث سردار جی کو مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے اسباب کچھ اس طرح سمجھانے کی کوشش کی۔

> "اسلام کے دشمن دراصل انسانیت کے دشمن ہیں۔ مسلمان قوم آج انتہائی نامساعد حالات میں گھر گئی ہے۔ ہمارے درمیان کچھ تعیش پسند ابن الوقت اور نام نہاد مسلمان دنیا کی حرص میں اسلام دشمن طاقتوں کی خوشامد میں لگے ہوئے ہیں"

میں نے عرض کیا "شاید آپ کے علم میں ہو کہ آزادی ملک تک ہندوستان کے ہر شہر کے گوشوں میں کچھ گندی بستیاں ہوا کرتی تھیں جنہیں بھنگی باڑہ' دھیڑ باڑہ اور چمار باڑی کہا جاتا تھا جہاں ہندو سماج کے راندۂ درگاہ وہ ہندو بھائی رہتے تھے جو منوواد کی ظالمانہ اختراع "اونچ نیچ" کے شکار ہو کر غیر انسانی حالات میں زندگی گزار رہے تھے۔ ان پسماندہ طبقات میں ایک شیر دل دانشور ڈاکٹر امیدکر پیدا ہوا جس نے حکومت ہند اور ساری ہندو قوم کو جھنجھوڑ ڈالا اور حکومت سے ہر میدان میں خصوصی مراعات حاصل کیں اس نے ایک ہتھیار یہ استعمال کیا کہ پہلے دین اسلام میں اپنی رغبت ظاہر کی اور بعد میں اپنی قوم کو ہندو منوواد سے نکال کر بدھ مت میں لے گیا۔ جس سے سارے کانگریسی اور جن سنگھی دہشت زدہ ہو کر رہ گئے اس نے اپنی قوم کے لئے تعلیم اور ملازمت ہی نہیں ترقیاتی منصوبوں کے ہر شعبہ میں حصہ لکھوایا جس کے نتیجے میں یہ طبقات گندی بستیوں سے نکل کر ہاؤسنگ بورڈوں کے پختہ مکانات میں منتقل ہو گئے ہیں اور اب ہندوستان کے ہر شہر میں گندی بستیوں میں مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے کئی گنا نظر آ رہے ہیں کیونکہ مسلمانوں سے قدم قدم پر بدترین تعصب برتا جا رہا ہے ان پر ملازمتوں کے دروازے بند ہیں سرکاری عناد کی وجہ سے نجی اداروں میں بھی ان سے امتیاز برتا جا رہا ہے۔ حکومت کے فلاحی منصوبوں میں مسلمانوں کا

کہیں کوئی حصہ نہیں ہے۔

آزادی کے فوراً بعد دنیا کی ایک عظیم زبان اردو جو ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی ایک عظیم الشان علامت تھی، یوپی میں یکلخت اسکولوں سے نکال دی گئی کیونکہ یہ مسلم اکثریت کی مادری زبان تھی اور دین اسلام کی تعلیمات کا بیش بہا خزانہ اسی زبان میں محفوظ تھا۔ دنیا میں جمہوریت کے ایک بڑے علم بردار جواہر لال نہرو کے دور میں مسلمانوں کی تاریخی بابری مسجد میں مورتیاں رکھ کر قفل ڈال دیا گیا اس طرح آزادی کے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دل و دماغ کو مفلوج کرنے کے اقدامات پر باقاعدگی سے عملدر آمد شروع کر دیا گیا دوسری جانب سال کے ۳۶۵ دنوں میں ۴۶۵ سے زائد مسلم کش فسادات نہایت منظم طور پر کرائے جاتے ہیں۔ ملیں تو پہلے ہی ںٹ چکی تھیں ٹھیلے اور خوانچے جو بچے ہیں آئے دن الٹ دیئے جاتے ہیں۔ گھربار جلا دیئے جاتے ہیں۔ آج مسلمانوں کی عزت و آبرو جان و مال کچھ بھی محفوظ نہیں۔ جن ظلمت و تاریکیوں میں منوادیوں نے ہندوؤں کے ایک طبقے کو ہزاروں سال میں پہنچایا تھا آج مسلمانوں کو پچاس سال سے بھی کم عرصے میں اس سے گہری کھائیوں میں دھکیل دیا ہے۔ مولانا ابوالحسن ندوی صاحب نے وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ایمرجنسی کے دوران ایک کھلے جلسے میں کہا تھا کہ جو ظلم آزادی کے بعد مسلمانوں پر توڑا گیا ہے وہ کسی اور قوم پر ڈھایا جاتا تو وہ اپنا مذہب ہی بدل ڈالتی۔

ان قیامت خیز حالات میں بھلا کون اپنا انسانی اور تہذیبی توازن قائم رکھ سکتا ہے۔ ان ہی اسباب کی بنا پر ہم اتنی پستی میں چلے گئے ہیں اور ہماری پارینہ عظمت اس ذلت میں بدل گئی ہے۔ آج مجھ جیسے لوگ جو ساٹھ کی سرحد پار کر چکے ہیں بہت غم زدہ اپنے قبروں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

> "اس بدنصیب ملک میں آج بھی کئی گاؤں ایسے موجود ہیں جہاں سو سال سے ایک بھی بیٹی پیدا ہو کر زندہ نہ رہ سکی۔ بے گناہ خاتون کو زندہ جلا کر اس کے نام سے مندر بنانے کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔ ہندو قوم کے اندر اتنی سنگین صورتحال کو بدلنے کی جدوجہد کرنے کی بجائے ان کے لیڈروں نے یہ مشغلہ اختیار کر رکھا ہے کہ آئے دن اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتے رہتے ہیں"

دشمنی کا سبب

منوادیوں کی مسلمانوں سے اس دشمنی کا کھلا سبب ہمارا دین اسلام ہے جو انسانوں کے درمیان ذات، برادری، کالے گورے اور امیر و غریب کی ہر تفریق کو مٹا دیتا ہے جو ان کی خود غرضی ذاتی مفادات اور ناجائز بالادستی کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اصل میں اسلام دشمنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن نئے نئے بہانوں سے اسلام پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے منوادی پریس مسلمانوں کے خلاف ایک معمولی سوشہ اٹھالیتا ہے اور زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگتا ہے۔ سورج پر وہ تھوکنے کی کوشش کرتے ہیں جن کے گھروں میں آج بھی ہر دن شیر خوار بیٹیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے اس بدنصیب ملک میں آج بھی کئی گاؤں ایسے موجود ہیں جہاں سو سال سے ایک بھی بیٹی پیدا ہو کر زندہ نہ رہ سکی فرضی دیوی دیوتاؤں پر انسانی قربانی چڑھائی جاتی ہے۔ ہر سال ہزاروں دلہنیں زندہ جلا دی جاتی ہیں۔ غم زدہ بیواؤں کے ساتھ حقارت سے پیش آیا جاتا ہے۔ غیر انسانی ستی رسم کو صحیح ٹھہرایا جاتا ہے۔ بے گناہ خاتون کو زندہ جلا کر اس کے نام سے مندر بنانے کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔ شرمناک دیوداسی رسم کو مندروں میں ادا کیا جاتا ہے۔ اپنی معصوم بیٹیوں کو دھرم کے نام پر انسانی درندوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ہزاروں ہندو عورتیں طلاق کی خواہش میں برسوں عدالتوں کے چکر کاٹتی رہتی ہیں۔ غریب دیوداسی اور ہریجن خواتین کی عصمت دری کے واقعات روزانہ اخباروں کی سرخیوں میں رہتے ہیں۔ ہندو قوم کے اندر اتنی سنگین صورتحال کو بدلنے کی جدوجہد کرنے کی بجائے ان کے لیڈروں نے یہ مشغلہ اختیار کر رکھا ہے کہ آئے دن اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ خدانخواستہ مسلم پرسنل لاء میں کوئی خامی ہے بلکہ اس لئے کہ شرعی قوانین دنیا میں انسانوں کے درمیان اونچ نیچ اور ذات پات کی تفریق اور نفرتوں کا قلع قمع کرتے ہیں۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے بندوں پر کسی کا ظلم و جور ہرگز روا نہیں رکھتا۔ اسلام کی سچائی وطن عزیز کے ہزار دکھوں کا علاج ہے اور جو لوگ ہمارے پیارے برادران وطن کی زبوں حالی کو دور کرنا نہیں چاہتے وہی اسلام کی اشاعت سے خائف ہیں۔ اسلام کے دشمن دراصل انسانیت کے دشمن ہیں جن کا ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ ہماری زندگی کا مقصد صرف دنیا کا خیر طلب کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھ کر آخرت کی خیر حاصل کرنا ہے۔ امید ہے کہ ہماری جنگ میں انصاف پسند غیر مسلم بھی ہمارا ساتھ دیں گے۔ ایک کثیر تعداد غیر مسلم مظلوموں کی بھی ہے۔ ہمیں ان کو بھی انصاف دلانے کے لئے لڑنا ہے۔ حالات بہت تشویش ناک ہیں۔ آزادی کے بعد ملک پر ایسا سخت دور کبھی نہیں آیا تھا۔ کلدیپ نیر نے سچ کہا ہے کہ حکمران کانگریس پارٹی میں فرقہ پرست لیڈر ہمیشہ رہے ہیں۔ لیکن اب ان کے ہاتھوں میں قیادت آگئی ہے۔

ساری صورت حال کا احاطہ کر لینے کے بعد لائحہ عمل طے کر لینا ضروری ہے۔ مسلمان قوم آج انتہائی ناسازگار حالات میں گھر گئی ہے۔ غربت و افلاس کا یہ حال ہے کہ ہماری مائیں اور بہنیں سڑکوں پر صفائی اور گھروں میں برتن مانجھنے کی مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ ماؤں کے لعل روزگار سے محروم ہیں۔ ہاتھی جب دلدل میں پھنس جاتا ہے تو مینڈک بھی اسے لاتیں مارتا ہے۔ یہی حال آج امت مرحومہ کو درپیش ہے۔ ہمارے درمیان کچھ تعیش پسند ابن الوقت اور نام نہاد مسلمان دنیا کی حرص میں اسلام دشمن طاقتوں کی خوشامد میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے منافقین ہر زمانے میں اپنی جہنم کا سامان خود تیار کرتے ہیں۔ ان سے بھی ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے جو اپنی دنیا بنانے کے لئے شب و روز سرگرداں ہیں۔ اور ملت کے لئے کسی درد سے مبرا ہیں ہمیں بہت غور و فکر اور تدبر سے منصوبہ بندی کرنی چاہئے مختلف محاذوں پر متعدد مراحل میں پیش قدمی کرنی ہے۔ کام اتنے درپیش ہیں کہ آسمان ہی حد ہے۔ اسلام کی دعوت کا سب سے اہم فریضہ نبوت کے سلسلے کے خاتمے کے بعد امت پر عائد ہے اس عظیم فریضے کو عمل میں لانے کے لئے بھی ہمیں اپنے اندر قابلیت پیدا کرنی ہوگی ہمیں یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھی ہے۔

اسلام کوئی خانقاہی مذہب نہیں ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کرتا ہے۔ معاشرت، معیشت، اقتصادیات، صنعت و تجارت، تعلیم و تربیت اور حکومت و سیاست، جہاں جہاں سے دین کو نکالا گیا وہاں تعفن پھیل گیا۔ ہمیں سخت جدوجہد کر کے ہر گوشہ زندگی کو منور کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں بھیجا ہے۔ اس نے دین کی روشنی راہنمائی کے لئے عطا فرمائی ہے۔

اس پر آشوب ماحول میں ہم سہل پسندی میں اپنے آپ کو ایک خول میں بند کر کے بیٹھ نہیں سکتے ہم پر فرض عائد ہے کہ اطراف میں بسے ہمارے برادران وطن کی بھی فلاح کی تدبیر کریں ہمارے درمیان جو چند درد مند، ذی شعور اور دولت مند افراد موجود ہیں انہیں بھی اپنی صلاحیتوں اور وسائل سے ملک و ملت کی خدمت کے لئے مسلسل سعی کرنا چاہئے اگر انہوں نے اس میں کوتاہی برتی تو اندیشہ ہے کہ وہ اپنا منصب کھو دیں گے معاشرے کی تنظیم بہت ضروری ہے اور اس کے لئے انفرادی سیرت کی تعمیر لازم ہے۔ سب سے پہلے ہم اپنے گھروں کا جائزہ لیں۔ انسانی کردار کی تعمیر ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے۔ ماں کی تربیت سے مجاہد دوراں پیدا ہوتے ہیں۔ آج کا تعلیمی نظام انسان کی روحانی اقدار کو بلند کرنے کی بجائے صرف اس کے حیوانی مطالبات کو پورا کرتا ہے۔ انسان کو نوکر شاہی کا ایک پرزہ بنا کر کسی طرح پیٹ پالنے کا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر گھر ایک ایسی تربیت گاہ بن جائے جہاں نئی نسل کی تعمیر ہو۔ قوم کی تعمیر نو کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیادیں مضبوط ہوں انفرادی سیرت اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں کا بڑا انحصار ماں کے ذریعے اعلیٰ تعلیم و تربیت پر ہے۔ ضرورت ہے کہ ہماری خواتین اسلامی صفات سے آراستہ ہوں۔ وہ قرآن کریم کی تعلیمات، اسلام کی عظمت اور اپنی عظیم الشان تاریخ کی آگہی کے ساتھ ساتھ عصر حاضر پر بھی نگاہ رکھتی ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ ہماری نوجوان لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے "خصوصی مدارس" قائم کئے جائیں۔

تعمیر کردار کا کارخانہ

ہماری نوے فیصد لڑکیاں میٹرک پاس کرنے کے بعد تین چار سال تک شادی سے پہلے گھروں میں بے کار بیٹھی رہتی ہیں۔ سرکاری نصاب میں انہیں انسانی عظمت اور کردار کی اعلیٰ قدروں کی تربیت نہیں دی جاتی ہم ایسے خصوصی مدارس قائم کریں جہاں انہیں دین اور تاریخ اسلام کے علاوہ ہوم سائنس کے چند ایسے مضامین جو عائلی زندگی میں کار آمد ہوتے ہیں۔ مثلاً حفظان صحت، پرورش اطفال، غذاؤں کی ماہیت وغیرہ کے ساتھ انسانی کردار کی عظمت عربی و انگریزی زبان کی تعلیم کے علاوہ گھروں میں روزی کمانے کے لائق کچھ ہنر سکھا دیں ان شاء اللہ العزیز ان لڑکیوں میں ایسا دل و دماغ پیدا ہو گا جس سے ان میں زبردست خود اعتمادی پیدا ہو گی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی اولاد غیور، شریف النفس، باشعور اور دلیر مسلمان بنیں گی ورنہ آج مردوں کو کسب معاش کی کشکش سے کہاں فرصت کہ اولاد کی تربیت پر توجہ دیں۔ ہماری یہ خصوصی درس گاہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک بہت بڑے انقلاب کا سرچشمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ یہ ہے قوم شکستہ کی تعمیر نو کا اولین مرحلہ۔ دوسرے مراحل مثلاً معیشت و معاشرت وغیرہ بھی غور و فکر اور اقدام کے محتاج ہیں۔

یہ خصوصی درسگاہیں ہم اپنی موجودہ اسکولوں میں جز وقتی کورس کے تحت بھی چلا سکتے ہیں۔ جہاں ہمارے پاس جماعت خانے یا شادی ہال وغیرہ ہوں ان عمارتوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ورنہ کوشش کر کے اس کے لئے عمارتیں بنوانی ہوں گی۔ اگر ہمیں اسلامی تشخص کے ساتھ باعزت قوم بن کر زندہ رہنا ہے تو بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہنا ہو گا۔ آئندہ نسلوں کو باوقار وجود دینا ہے تو ہمیں پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی محنت کرنا ہو گی۔ ہماری ہر مسجد میں مدرسہ ہو اور ہر اسکول ایک صنعتی مکتب بھی ہو۔ جتنا کچلنے کی مہم چل رہی ہے۔ اتنا ہی ابھرنے کی تحریک کرنی ہو گی۔ کامیابیاں ان شاء اللہ ہمارے قدم چومیں گی بشرطیکہ ہمارے اقدامات میں دینی احکامات سے مطابقت ہو اور طوفان کے رخ کو موڑ دینے کے لئے عزم بالجزم ہو۔

لڑکیوں کی صحیح تعلیم ہر گھر کو ایک پاکیزہ تربیت گاہ بنا دے گی جہاں کردار سازی ہو گی آنے والی نسلوں کی جو پر اعتماد، خود دار، محنتی اور مضبوط کردار کی حامل ہوں گی۔ کم ہمتی اور احساس کمتری سے بہت دور ہوں گی۔ ماں کے رول کو جلا دیجئے ان شاء اللہ سارا ماحول بدل جائے گا۔ یہ نور نظر کروڑوں معماران ملت ہمارے درمیان موجود ہیں جنہیں ان کا عظیم منصب ادا کرنے کے لئے اب تک ندا نہیں دی گئی ہے۔ انہیں گھر کے قلعے کی محافظ بنا دیجئے اور باہر کی دھوپ کی تمازت سے بچا کر رکھئے۔

ہماری ذلت و رسوائی، طعن و تشنیع اور جہالتوں کے نعرے ان شاء اللہ سب بند ہو جائیں گے۔ مایوسی کی ضرورت نہیں مستقبل ہمارا روشن ہے۔ اگر مشعل ہمارے ہاتھ میں ہو۔○○

جہادِ چیچنیہ

اسرار احمد سہاروی

کوہ و صحرا ہوئے معمور بہ ذوقِ پیکار
پھر سے ملت ہوئی اب خوابِ گراں سے بیدار

جذبۂ شوقِ شہادت سے ہیں مسلم سرشار
زعم جبروتِ عدو ہو گیا یکسر بیکار

اپنی فطرت میں عدو ان کا ہے وحشت آثار
ظلم عادت میں ہے اس کی ہے بڑا بدکردار

خیر کی اس سے توقع نہیں در بابِ وقار
رحم کی بھی نہیں امید کہ ہے ناہنجار

سخت بے دیں ہے، فریبی ہے بہت ہے مکار
زر پرستی نے کیا اس کو خدا سے بیزار

ناسپاسی میں وہ یکتا ہے نہیں شکر گزار
رحم کا نام ہے لب پر ہے کمر میں تلوار

ہوش اس کو ہے حکومت کا نہ سرداری کا
راج چوپٹ ہے کہیں اور کہیں اندھی سرکار

بغض ہے دل میں بہت اس کے مسلمانوں سے
اس سے اخلاص کی امید نہ رکھنا زنہار

اپنی رسوائی و ذلت کا ہے صدمہ اس کو
اس کو کابل سے نکالا ہے بہت کر کے خوار

آستیں میں وہ چھرا اپنی لئے پھرتا ہے
گرچہ ظاہر میں وہ کرتا ہے کرم کا اظہار

حیلہ سازی میں وہ یکتا ہے زمانہ بھر میں
اس کے بارے میں ہے مومن کی بصیرت درکار

امیروں کے حوض دولت سے بھر گئے مگر دولت نے ٹپکنے کا نام نہ لیا

بھارت سے امریکہ کا چین کے خلاف فوجی معاہدہ اب کوئی راز کی بات نہیں رہی

امریکہ نے دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے "بوب" پال رکھے ہیں مگر محبوب الحق جیسا چترکار کہیں نہیں ملا

جو حکومت آتی ہے اسی ترقیاتی گرانٹ سے اسمبلی کے ممبروں کو خریدنا شروع کر دیتی ہے

تحریر : الطاف گوہر

ہمارے ماہر اقتصادیات سابقہ وزیر خزانہ حضرت محبوب الحق (جنہیں ان کے دوست محبت سے "بوب" کہتے ہیں) آج کل بین الاقوامی سیاست میں دھرنا مار کر بیٹھے ہیں۔ صدر ایوب خان کے زمانے میں وہ پلاننگ کمیشن میں ہوا کرتے تھے اور اس وقت وہ ورلڈ بینک کے سر رابرٹ میکنامارا (جنہیں ان کے دوست "باب" کہہ کر پکارتے تھے) کے اقتصادی فلسفے پر عمل پیرا تھے۔ فلسفہ یہ تھا کہ دولت جمع ہونا چاہئے خواہ وہ چند لوگوں تک ہی محدود کیوں نہ ہو' بالآخر اسی دولت کا فیض غریبوں تک پہنچ جاتا ہے۔ دلیل یہ تھی کہ دولت تقسیم ہو سکتی ہے مفلسی تقسیم نہیں ہو سکتی اور مثال یہ دی جاتی ہے کہ امراء کے محلات کی چھتوں پر اگر دولت کے حوض بنا دیئے جائیں تو رستے رستے پانی کے قطرے زیریں علاقے میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اس اقتصادی فلسفے کا نام تھا "ٹرکل ڈاؤن" اور حضرت "بوب" اس کے بڑے پرچارک تھے۔ اسی نظریہ کے ماتحت ترقی پذیر ملکوں کو امریکہ سے اقتصادی اور مالی امداد ملتی تھی۔ دس سالوں میں پاکستان اس نظریہ پر عمل کرتے ہوئے ایک مثالی ملک بن گیا۔ امیروں کے حوض دولت سے بھر گئے مگر دولت نے ٹپکنے کا نام نہ لیا اور غریبوں تک اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچا۔ جب یہ صورتحال ہوئی تو اب ورلڈ بینک نے اقتصادی ترقی کے اس نظریہ پر لعنت بھیجنا شروع کر دی اور محبوب الحق صاحب بھی وہ ۲۲ گھرانے گنوانے لگ گئے جنہوں نے قومی دولت کو سمیٹ رکھا تھا۔ مصنف سے زیادہ اپنی تخلیق کا نقاد اور کون ہو سکتا ہے۔ دولت کے ارتکاز کی وجہ سے صدر ایوب خان کے نظام کے خلاف عوامی تحریک زور پکڑنے لگی۔ اس وقت تک امریکہ ایوب خان کی پاک چین دوستی کی وجہ سے بدظن ہو چکا تھا اور اسی بدظنی کے سہارے محبوب الحق صاحب نے عوامی مسائل کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ ایوب خان کی حکومت چلتی بنی اور حق صاحب ورلڈ بینک میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیئے گئے اور پھر سالہا سال وہیں بیٹھے رہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کا زمانہ آیا تو حضرت بوب کو اشتراکیت کا لہکا پڑ گیا۔ امریکہ چاہتا تھا کہ بھٹو کو کوئی ایسا مشیر فراہم کیا جائے جو قابل اعتماد ہو۔ قرعہ فال محبوب الحق صاحب کے نام پڑا۔ وہ پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین بن کر آن وارد ہوئے۔ ورلڈ بینک میں ان کی الوداعی دعوتیں ہوئیں اور اسلام آباد کے

> "ایک دفعہ جموں و کشمیر کی ریاست اقوام متحدہ کی تولیت میں آ جائے تو سارا علاقہ امریکہ کے قبضے میں آ جائے گا۔ شمالی علاقہ جات بھی ریاست کے ساتھ ملا لئے جائیں گے اور امریکہ اس علاقے میں ایسے اڈے قائم کرے گا جس سے وہ جمہوریہ چین کو مستقل دباؤ میں رکھ سکے گا اور اسلامی جمہوریہ ایران پر بھی نظر رکھ سکے گا"

ہوائی اڈے پر ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ دفتر پہنچتے ہی انہوں نے کمرے کی تزئین کا حکم دیا اور افسروں پر واضح کر دیا کہ ان کا ارادہ جم کر بیٹھنے کا ہے اور اقتصادی معاملات میں اب وزیر خزانہ مبشر حسن صاحب کی "انگل پچو" نہیں چلے گی۔ "بوبی" احکامات پر عملدرآمد ہو گا۔ پھر معلوم نہیں کیا ہوا کہ محبوب الحق صاحب روپوش ہو گئے۔ ایک ہفتے کے بعد خبر آئی کہ وہ ورلڈ بینک میں واپس جا کر پھر اپنی پرانی کرسی پر بیٹھ گئے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ جب ان کا مبشر حسن صاحب سے "ٹاکرا" ہوا تو انہوں نے ایسا دھوبی پٹڑا مارا کہ حضرت "بوب" "چت بھی میری پٹ بھی میری ہے" کا نعرہ لگاتے ہوئے پردہ سیمیں سے غائب ہو گئے۔

بیٹھے رہے مگر تاک لگائے' بھٹو صاحب کی حکومت اسلامی تحریک کی زد میں آ گئی اور محبوب الحق اسلامی اقتصادی نظام کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے امریکہ کے مشہور اخبار "واشنگٹن پوسٹ" میں ایک یادگار خط لکھا جس میں یہ مطالبہ کیا کہ جب تک بھٹو حکومت برسراقتدار ہے پاکستان کو اقتصادی امداد نہ دی جائے۔ اس طرح محبوب الحق کا جنرل ضیاء الحق صاحب سے رابطہ قائم ہو گیا اور اسی رابطہ کی بدولت وہ پہلے پلاننگ کمیشن میں اپنی پرانی کرسی پر براجمان ہوئے' پھر وزیر منصوبہ بندی بنے اور جب ان کی منصوبہ بندی پوری ہو گئی تو سونے کی چڑیا ان کے ہاتھ آ گئی اور وہ وزیر خزانہ بن گئے۔

اب انہیں غریبوں کے مسائل سے کوئی واسطہ نہ رہا اور وہ "کالا دھن" سمیٹنے کے طریقے رائج کرنے

میں لگ گئے۔ انہوں نے جب اپنا پہلا بجٹ پیش کیا تو ان کی زبان اور لہجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ منصورہ سے فیضیاب ہو کر آئے ہوں۔ مگر سارا بجٹ اسلام کی نہیں جنرل ضیاء الحق کی حمایت کی نذر ہو گیا۔ پہلے تو وزیر خزانہ نے جنرل صاحب کی مجلس شوریٰ کے ہر رکن کو لاکھوں روپے گرانٹ کے طور پر عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے علاقوں میں کلہ گاڑھ سکیں یا ترقیاتی کام کر سکیں۔ مجلس شوریٰ کے ضمیر کا بلا تو اس گرانٹ کی تھیلی میں آگیا مگر اب یہ گرانٹ ہماری گردن کا پٹا بن گئی ہے۔ جو حکومت آتی ہے اسی ترقیاتی گرانٹ سے اسمبلی کے ممبروں کو خریدنا شروع کر دیتی ہے اور ممبروں کو بھی ایسا چسکا پڑا ہے کہ عوامی خزانے کو انہوں نے ذاتی تہ خانہ بنا لیا ہے۔ ساتھ ہی وزیر خزانہ نے یہ اعلان کیا کہ دھن آخر دھن ہے' سفید ہو یا کالا' حکومت کو اس سے سروکار نہیں کہ دھن کیسے حاصل کیا گیا؟ حکومت کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اس دھن پر پر ٹیکس وصول کر لیا جائے۔ ہیروئین فروشوں' سمگلروں اور سٹے بازوں کی عید ہو گئی' حکومت کو ٹیکس تو مل گیا مگر ملک کلاشنکوف اور ہیروئین کی نذر ہو گیا۔

محبوب الحق صاحب جب اپنا اقتصادی پروگرام پورا کر چکے تو واپس امریکہ چلے گئے۔ پاکستان کی اقتصادی بیخ کنی کرنے کے علاوہ "بوب" اور "باب" نے مل کر ۱۹۷۰ء کی دھائی میں مسلمان ملکوں کے تیل کی ساری آمدن امریکی بینکوں کے حوالے کر دی تھی۔ اس دور میں بوب اور باب دونوں دولت جمع کرنے کا فلسفہ چھوڑ کر دولت کا چکر باندھ رہے تھے۔ اس نئے نظریہ کا نام انہوں نے "ری سائیکلنگ" رکھا تھا اور تیل کی دولت کے رکھوالوں سے یہ کہا جا رہا تھا کہ دولت جمع کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اسے ہمارے بینکوں کے سپرد کرو پھر دیکھو خدا کیا کرتا ہے' وہ چکر باندھے گئے کہ عربوں کی دولت غریب ملکوں کے قرضوں کی شکل اختیار کر گئی۔ بینک تیل کی آمدن بٹور لیتے اور اسے ضرورت مند ملکوں کو سود در سود پر قرض کے طور پر عطا فرما دیتے۔ آج عرب ملک کنگال ہو چکے ہیں اور ترقی پذیر ممالک قرض کے پھندے میں دم توڑ رہے ہیں' مگر محبوب الحق صاحب دندنا رہے ہیں۔

> "عربوں کی دولت غریب ملکوں کے قرضوں کی شکل اختیار کر گئی۔ بینک تیل کی آمدن بٹور لیتے اور اسے ضرورت مند ملکوں کو سود در سود پر قرض کے طور پر عطا فرما دیتے۔ آج عرب ملک کنگال ہو چکے ہیں اور ترقی پذیر ممالک قرض کے پھندے میں دم توڑ رہے ہیں"

امریکہ نے دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے "بوب" پال رکھے ہیں مگر محبوب الحق جیسا ماہر اور چترکار انہیں کہیں اور نہیں ملا۔ لہٰذا امریکہ نے اب حق صاحب کو اپنے سیاسی ایجنڈے میں بھی شامل کر لیا ہے۔ اس ایجنڈے میں جموں اور کشمیر کی ریاست کا بین الاقوامی تنازعہ بھی شامل ہے۔ امریکہ کی علاقائی مصلحتوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ جمہوریہ چین کو نرغے میں لیا جائے۔ جب سوویت یونین میں کیمونسٹ نظام درہم برہم ہو رہا تھا تو امریکہ کو یہ امید تھی کہ چین بھی احتجاجی تحریکوں کی زد میں آکر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مگر یہ امید پوری نہ ہوئی اور جمہوریہ چین اپنی سلامتی اور وحدت پر قائم رہا۔ بڑے زور و شور سے ترقی کی راہ پر بھی گامزن ہو گیا۔ اب امریکہ جو اپنے آپ کو دنیا کا رکھوالا تصور کرتا ہے اور جسے اس بات پر ناز ہے کہ وہ واحد سپرپاور ہے' چین کی وسعت اور عظمت سے خوفزدہ ہے' وہ اس فکر میں ہے کہ چین کے ہمسایہ ملکوں میں ایسے فوجی اڈے قائم کئے جائیں جو چین کو گھیرے میں دبا رکھیں۔

بھارت سے امریکہ کا چین کے خلاف فوجی معاہدہ اب کوئی راز کی بات نہیں رہی۔ اسی معاہدے کے زور پر بھارت اپنے ایٹمی ہتھیار اور میزائل بناتا چلا جا رہا ہے مگر چین کی مغربی سرحدیں ابھی پوری طرح امریکہ کے قبضے میں نہیں آئیں۔ جموں و کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے اور امریکہ یہ چاہتا ہے کہ یہ تنازعہ اگر حل نہیں ہو سکتا تو اسے کسی طرح سے پس پشت ڈال دیا جائے۔

پچھلے چار پانچ برس سے تیسرے راستے "تھرڈ آپشن" کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ وہ راستہ یہ ہے کہ جموں و کشمیر میں اگر استصواب رائے کا اہتمام نہیں ہو سکتا تو ریاست نہ بھارت میں شامل ہو نہ پاکستان میں' اسے آزاد کر دیا جائے۔ آزادی کی سب سے پسندیدہ صورت یہ سمجھی جاتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیا جائے اور جب حالات معمول پر آجائیں تو کشمیری عوام خود یہ فیصلہ کریں کہ وہ بھارت یا پاکستان سے ملنا چاہتے ہیں یا مکمل طور پر آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ ایک دفعہ جموں و کشمیر کی ریاست اقوام متحدہ کی تولیت میں آجائے تو سارا علاقہ امریکہ کے قبضے میں آجائے گا۔ شمالی علاقہ جات بھی ریاست کے ساتھ ملا لئے جائیں گے اور امریکہ اس علاقے میں ایسے اڈے قائم کرے گا جس سے وہ جمہوریہ چین کو مستقل دباؤ میں رکھ سکے گا اور اسلامی جمہوریہ ایران پر بھی نظر رکھ سکے گا۔ بالکل اسی نظریہ کے تحت فلسطین کو اقوام متحدہ کی تحویل میں دیا گیا تھا' اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ فلسطین کو اسرائیل بنا دیا گیا' فلسطینیوں کو ملک بدر کر دیا گیا اور اب سارا مشرق وسطیٰ امریکی اور یہودی گٹھ جوڑ کا شکار ہو چکا ہے۔ نہ صرف علاقے کی حفاظت بلکہ علاقے کی ساری معدنی دولت بھی اب امریکہ اور اسرائیل کے قبضے میں آگئی ہے۔ ایک دفعہ جموں اور کشمیر کی ریاست اقوام متحدہ کی تحویل میں آگئی تو امریکہ اور بھارت مل کر چین کے گرد گھیرا ڈال دیں گے پاکستان کے چین کے ساتھ برادرانہ تعلقات ختم ہو جائیں گے اور مشرق وسطیٰ میں پاکستان کی حیثیت ایک امریکی اڈے کی سی ہو کر رہ جائے گی۔

میں نے یہ پس منظر تفصیل سے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس پروگرام کی اہمیت پوری طرح سے واضح ہو سکے جس پر اس وقت محبوب الحق عمل پیرا ہیں۔ بات ذاتیات کی نہیں ملکی سلامتی کی ہے۔ میں نے "نیشن" اخبار میں جب یہ مسئلہ اٹھایا تو محبوب الحق صاحب بہت برہم ہوئے اور انہوں نے مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگائے' میں نے ان الزامات کا جواب بھی دے دیا ہے جو "نیشن" میں شائع ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قارئین محبوب الحق صاحب کی اس چال میں نہ آئیں کہ کشمیر کے بارے میں ان کا منصوبہ توجہ کا مرکز نہ رہے اور معاملہ ذاتی تو تکار میں کھو جائے۔

یہ محض اتفاق نہیں تھا کہ محبوب صاحب جموں و کشمیر کی ریاست کو اقوام متحدہ کی تحویل میں دینے کا منصوبہ لے کر دلی پہنچے۔ ان کا یہ دورہ امریکی اور بھارتی پروگرام کا حصہ تھا اور انہوں نے ہی اس دورے کے اخراجات بھی برداشت کئے۔ خدا نے محبوب الحق کو قوت گفتار عطا فرمائی ہے۔ آپ نے دلی میں راجیو گاندھی فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام بھارت اور

پاکستان کے درمیان امن قائم کرنے کا ایک تفصیلی پروگرام پیش کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"ہم کیوں اس بات پر راضی نہیں ہو جاتے کہ اگلے دس پندرہ برس تک ہندوستانی مقبوضہ اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر دونوں اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیئے جائیں (محبوب الحق صاحب نے آزاد کشمیر نہیں کہا' پاکستانی مقبوضہ کشمیر کہا تاکہ ان کی غیر جانبداری مجروح نہ ہو) کیوں نہ دونوں علاقوں سے فوجیں ہٹالی جائیں' انتظامی محکمے ختم کر دیئے جائیں اور دونوں مقبوضہ علاقوں کی سرحدیں کھول دی جائیں' کیوں نہ کشمیریوں کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ خود مختاری سے فیضیاب ہوں اور پرامن ماحول میں ترقی کریں"۔

> **"الحاق کا راستہ چھوڑ کر پاکستان اگر کوئی راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ کشمیر کے بین الاقوامی تنازعہ میں ایک فریق کی حیثیت کھودے گا اور قیام پاکستان کی تحریک نامکمل رہ جائے گی"**

محبوب الحق اقتصادیات کے موضوع سے تو باخبر ہیں مگر بین الاقوامی سیاست کا انہیں نہ علم ہے نہ تجربہ' امریکہ نے ان کو اپنی وکالت کے لئے دلی تو بھجوا دیا مگر انہیں کشمیر کے مسئلہ کے بارے میں سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دیا۔ چند بنیادی باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

کشمیر کا تنازعہ پاکستان کی آزادی کی تحریک کا حصہ ہے۔ اسی تحریک کی بدولت انگریز برصغیر ہندوستان میں دو قوموں کی حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوا اور ریاستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے لوگوں کی رائے کے مطابق یا بھارت میں شامل ہو جائیں یا پاکستان میں' بھارت کے حکمرانوں نے ریاستوں کے مسلمانوں کو یہ حق استعمال کرنے کا موقع نہ دیا اور کشمیر کے معاملے میں بھارت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کشمیر کے مہاراجہ سے الحاق کی ایک جعلی دستاویز پر دستخط کروا لئے۔ اس دستاویز کی نقل شائع ہو چکی ہے اور ماؤنٹ بیٹن کی سازشوں سے بھی پردہ اٹھالیا گیا ہے۔

بھارت نے کشمیر پر حملہ کیا اور اس کی فوجیں وادی کشمیر' جموں اور ریاست کے کچھ دوسرے علاقوں پر قابض ہو گئیں جو علاقے بھارت کی فوج کے قبضے میں نہ آئے وہ آزاد کشمیر کے نام سے پہچانے گئے۔ بھارت کے حملہ کے خلاف مقدمہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا اور یہ قرارداد منظور ہوئی کہ جموں اور کشمیر کے عوام کو یہ حق دیا جائے کہ وہ ایک آزاد اور غیر جانبدار استصواب رائے کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ وہ بھارت سے الحاق چاہتے ہیں یا پاکستان سے؟ پچھلے ۴۹ برس سے بھارتی فوج کشمیر پر قبضہ جمائے بیٹھی ہے اور نہتے کشمیریوں پر اس نے جو ظلم ڈھائے ہیں ان کا ذکر سنتے ہی انسان پر کپکپی چھا جاتی ہے' نوجوانوں اور بچوں کو گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے' معصوم اور بے یار و مددگار عورتوں کو جنسی بربریت کے اندھیرے میں دھکیل دیا جاتا ہے اور کشمیریوں کو الحاق کا فیصلہ کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ یہ وہ بنیادی تاریخی حقائق ہیں جنہیں قطع نظر کرنا ممکن نہیں۔

الحاق کا راستہ چھوڑ کر پاکستان اگر کوئی راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ کشمیر کے بین الاقوامی تنازعہ میں ایک فریق کی حیثیت کھودے گا اور قیام پاکستان کی تحریک نامکمل رہ جائے گی۔ آپ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے ہرگز انحراف نہیں کر سکتے۔ یہ قراردادیں وقت کی پابند نہیں کہ آپ کہیں کہ اتنے سال گزر گئے ہیں' قراردادیں سرد پڑ چکی ہیں اور ان کا ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کشمیر میں جو تحریک آزادی چل رہی ہے اور جس طرح کشمیری نوجوان ہتھیلی پر جان رکھ کر اپنے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں' اس تحریک کے شعلوں نے سارے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور محبوب الحق صاحب فرماتے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ وقت کی برف میں دب چکا ہے اور وہ امریکہ سے یہ برف پگھلانے کا نسخہ لے کر آئے ہیں۔ انسانی خون کی ندیاں جو کشمیر میں بہہ رہی ہیں اور نمرود نے وہاں جو آگ لگا رکھی ہے وہ سب محبوب الحق کو برف کے تودوں کی یاد دلاتی ہے۔

محبوب الحق دو دن دلی میں کشمیر کے مسئلہ پر دھواں دھار تقریریں کرتے رہے۔ بھارتی میزبانوں نے ان کی پیٹھ پر تھپکی دی اور "بچا جمورا" پاکستانی کشمیر پسندوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس سارے عرصے میں حق صاحب کی زبان سے کشمیر کے عوام پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کے بارے میں ایک حرف نہیں نکلا' نکلتا بھی کیسے' ان کے گلے میں تو بھارتی گلاب جامن پھنسے ہوئے تھے؟ مائیں کشمیر میں اپنے بچوں کے غم میں نڈھال ہو رہی ہیں' عورتیں لہولہان گلیوں میں پڑی ہوئی ہیں اور ہمارے امن پسند دانشور بھارت کی میزبانی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

سنا ہے ۱۲ مارچ کو محبوب الحق صاحب کے بھارتی ساتھی اسلام آباد تشریف لائیں گے اور سب مل کر یہ کوشش کریں گے کہ پاکستان کا حکمران طبقہ کشمیر کو بھلا دے۔ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کو ردی کی ٹوکری کی نذر کر دے اور امریکہ اور بھارت کو اس سارے علاقے کی حکمرانی کا موقع فراہم کر دے۔ محبوب الحق صاحب کا طریقہ واردات میں نے بیان کر دیا ہے' وہ تو ضرب الامثال تھالی کے بینگن ہیں' تھالی خواہ مٹی کی ہو' پیتل کی یا چاندی کی.....

طاقتِ پرواز

کئی قسم کے پرندوں میں یہ صلاحیت نظر آتی ہے کہ انہیں جب کہیں ناموافق موسمی حالات کے باعث نقل مکانی یا "ہجرت" کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ آپس کے تمام جھگڑے بھلا کر کمال نظم و ضبط کے ساتھ کسی نئی منزل کی طرف محوِ پرواز ہو جاتے ہیں اور طویل سفر طے کر کے بالاخر منزل مقصود پا لیتے ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ ہماری مذہبی اور دینی جماعتیں' جن کی منزل معین ہے' یعنی غلبہ اسلام' اس صلاحیت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہیں۔ جس کی وجہ سے کفر اور طاغوت دن بدن طاقت اور غلبہ حاصل کرتا جا رہا ہے۔ حالانکہ دینی اور مذہبی طبقہ اگر یکجا ہو کر ان کا مقابلہ کرے تو کامیابی ناممکن نہیں۔ تاہم اس کے ساتھ ہم میں سے ہر شخص کو اپنا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ وہ اپنا اخلاقی اور دینی فریضہ ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر ہماری روش یہی رہی کہ اپنی کمزوری اور کوتاہی کا بوجھ بھی مذہبی طبقے کے سر تھوپ کر اپنے آپ کو فارغ سمجھ لیا تو اسلام کا غلبہ ہونا دشوار ہے۔ اور پھر یہ بات تو بہرحال یقینی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو ایک روز اللہ کے ہاں حاضر ہو کر جواب دینا ہے اور وہاں کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہو گا۔ (ندیم طاہر' لاہور)

سیکولرزم کا نعرہ نظریۂ پاکستان سے ہی نہیں آئین پاکستان سے بھی متصادم ہے

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ سیاسی و اجتماعی سطح پر قرآن و سنت کی بجائے کسی اور ماخذ سے رہنمائی لی جائے

اپوزیشن میں واحد جماعت "عوامی نیشنل پارٹی" ہے جس نے اس معاملے میں حکومت کی کھل کر حمایت کی ہے

تحریر: محبوب الحق عاجز

حکومت کی انتخابی اصلاحات بالخصوص اقلیتوں کو دوہرے ووٹ کا حق پورے ملک میں بالعموم اور سیاسی و ادبی حلقوں میں بالخصوص زیر بحث ہے۔ اکثر سیاسی ماہرین اور دانشور اس پر تنقید کر رہے ہیں یہاں تک کہ مسلم لیگ (ن) اور دیگر دینی جماعتوں نے اسے اسلام اور آئین کے منافی قرار دے کر ناقابل عمل قرار دے دیا ہے۔ لیکن اقلیتوں اور بعض دوسرے دانشوروں اور سیاستدانوں نے جن کا زیادہ تر تعلق حکومتی پارٹی سے ہے' ان اصلاحات کو سراہا ہے۔ البتہ حکومت کے مخالفین میں سے واحد جماعت "عوامی نیشنل پارٹی" ہے' جس نے اس معاملے میں حکومت کی کھل کر حمایت کی ہے۔ اے این پی کے ترجمان ایک تقریب میں اجمل خٹک نے اپنے سیکولر ہونے کی نفی کی تھی۔ سو ہمارا خیال تھا کہ شاید معروف سیاسی فلسفوں بالخصوص اشتراکیت کی کھلی ناکامی اور عالمی سطح پر سیکولرزم کی پذیرائی میں کمی کے باعث اے این پی نے اپنے نظریات میں لچک پیدا کر کے تبدیلی کی جانب سفر شروع کر دیا ہے۔ لیکن حالیہ بیان سامنے آیا تو ہماری امیدیں دھری کی دھری رہ گئیں اور معلوم ہوا کہ اجمل خٹک نے سیکولرزم سے جو اعلان برات کیا تھا وہ محض سیاسی ڈھونگ اور وقتی مصلحت تھا۔

حاجی عدیل صاحب نے اپنی بنیاد پرستی کی نفی اور سیکولر ہونے کا جو اظہار کیا ہے' اس کے حوالے سے چند باتیں ان کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

> "اب دنیا میں وہی نظام اپنی بالا دستی قائم کرے گا جو عالمگیریت اور انسانیت کے اوصاف کا حامل ہوگا۔ اور یہ نظام بلاشک "اسلامی نظام حیات" ہے۔ وہ اسلام جو برہمن و شودر' عربی و عجمی' کالے و گورے اور چین و ماچین کے مصنوعی امتیازات کو مٹا کر تمام انسانوں کو اولاد آدم ہونے کے ناطے برابری اور برادری کی لڑی میں پروتا ہے"

سرحد اسمبلی میں ڈپٹی پارلیمانی لیڈر حاجی عدیل نے واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ چوہدری شجاعت حسین بنیاد پرست ہوں گے' ہم تو سیکولرزم کے حامی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے حکومت کی انتخابی اصلاحات کی نہ صرف بھرپور حمایت کی' بلکہ کہا کہ ہم تو اس سے بھی ایک قدم آگے جانا چاہتے ہیں۔

اے این پی کے ترجمان کا یہ بیان گو ہمارے لئے غیر متوقع تو نہیں' اس لئے کہ اس کی فکری اساس ہی انہی نظریات پر رکھی گئی ہے۔ تاہم چونکہ کچھ عرصہ قبل (غالباً حمید نظامی مرحوم کی یاد میں) الحمرا میں منعقدہ

جہاں تک اصولی بحث کا تعلق ہے کہ اسلام میں سیکولرزم کی گنجائش ہے یا نہیں تو اس میں کسی شک و شبہ اور ابہام کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ سیکولرزم اور اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ دونوں مختلف ہی نہیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چنانچہ اسلام میں قطعاً بات کی رعایت نہیں کہ سیاسی اور اجتماعی سطح پر قرآن و سنت کی بجائے کسی اور ماخذ سے رہنمائی لی جائے۔ قرآن دو ٹوک الفاظ میں ایسے لوگوں کے متعلق کہتا ہے:

"(اے پیغمبرؐ) کیا تم نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہوا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں اس (طاغوت) سے انکار کا حکم دیا جا چکا ہے"۔ (النساء:٦٠)

اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر ایسے لوگوں کے ایمان ہی کی نفی کر دی گئی جو اپنے باہمی معاملات میں نبی اکرمؐ کے احکام اور فیصلوں کو بسرو چشم قبول نہ کریں۔ فرمایا:

"پس اے پیغمبرؐ تمہارے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں یہ تمہیں حکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور دل و جان سے اس کو تسلیم نہ کرلیں" (النساء : ٦٥)

جسے بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے۔ اسے قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

نظریہ پاکستان کے حوالے سے بھی دیکھا جائے تو سیکولرزم نظریہ پاکستان کے منافی ہے کہ یہ پاک دھرتی لامذہبیت دھریت یا اشتراکیت کے نام پر نہیں بلکہ اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے۔ بانیان پاکستان نے قیام پاکستان سے قبل ہی اپنی جدوجہد کے اہداف' جہت اور قبلہ متعین کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۳ جنوری ۱۹۹٦ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں قائداعظمؒ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔

ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں فرمایا "اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بہ

حیثیت ایک معاشرتی قوت کے زندہ رہنا تو ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کی خاطر ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں"۔

نظریہ پاکستان دراصل نظریہ اسلام ہے ورنہ تو ہم متحدہ ہندوستان میں اس سے کہیں بہتر سیکولرزم کے تحت زندگی گزار سکتے تھے۔ صدر مملکت' وزیر اعظم پاکستان' اور دیگر وزراء اور اراکین اسمبلی کے حلف کی عبارت میں یہ الفاظ درج ہیں۔

"میں اسلامی نظریہ کی حفاظت کے لئے کوشاں رہوں گا جو کہ پاکستان کے قیام کی بنیاد ہے" اور حلف اٹھاتے وقت یہ لوگ باقاعدہ ان کلمات کو ادا کرتے ہیں اور اسلامی نظریے کے دفاع کا عہد کرتے ہیں۔

سیکولرزم کے حامی ذرا اس پہلو سے بھی جائزہ لیں کہ جس سیکولرزم کا وہ راگ الاپ رہے ہیں اس کی کوئی گنجائش آئین پاکستان میں بھی ہے یا نہیں۔ ہمارا آئین مکمل نہ سہی لیکن کچھ تو ضرور اسلامی اور "بنیاد پرست" ہے جس کے بالکل آغاز میں Objective Resolution میں حاکمیت جمہور (Peoples Soverignity) کے تصور کی نفی کر کے الہیاتی حاکمیت کا اقرار کیا گیا ہے۔ پھر بعد ازاں واضح طور پر کہا گیا ہے۔

"No legislation will lbe done repugnant to the Quran and the Sunnah."

اس اعتبار سے اس دیس میں سیکولرزم کا نعرہ آئین پاکستان سے بھی متصادم ہے' اس لئے ہمارا یہی مشورہ ہے کہ خدارا اب بس کیجئے۔

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں' یہ وہ دور ہے جس میں سیکولرزم ایک طرف اپنی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ دوسری طرف دنیا' بالخصوص اسلامی دنیا نے اس سے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ سوڈان میں عمر حسن البشیر کی اسلامی اصلاحات' مصر میں اسلام پسندوں کی قربانیاں' فلسطین میں یاسر عرفات کی مقبولیت میں کمی اور حماس کی حمایت میں اضافہ' ایران میں مذہبی انقلاب' تاجکستان میں ہمت زادے کی سرکردگی میں تحریک نہضت اسلامی کی غیر معمولی مقبولیت' الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی جدوجہد اس حقیقت کے واضح شواہد ہیں۔ پھر یہ کہ ترکی کے حالیہ انتخابات میں نجم الدین اربکان کی رفاہ پارٹی کی ۱۵۸ نشستوں کے ساتھ سیکولر جماعتوں پر برتری کمال اتاترک کی لامذہبیت سے مراجعت کے مترادف ہے۔

موجودہ عالمی سیاسی منظرنامے کو دیکھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ دور حاضر کی جنگ ہتھیاروں سے زیادہ نظریات کی جنگ ہے۔ ماضی قریب میں یہ جنگ اشتراکیت اور سرمایہ داریت کے مابین رہی ہے۔ جس میں اشتراکیت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ اسے اپنے مرکز یعنی سابقہ سوویت یونین میں بھی پناہ نہ مل سکی۔ اور وہاں "سرخ ازم" کا بت ہمارے سامنے زمین بوس ہو گیا۔ اب یہ جنگ سرمایہ داریت اور اسلام کے درمیان ہے۔ مگر سرمایہ داریت نے انسانیت کا جس درجے استحصال کیا' جتنے مظالم روا رکھے' عورت اور مرد' سرمایہ و محنت'

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں' یہ وہ دور ہے جس میں سیکولرزم ایک طرف اپنی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ دوسری طرف دنیا' بالخصوص اسلامی دنیا نے اس سے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے"

انفرادیت اور اجتماعیت جیسے بنیادی سماجی مسائل میں جس قدر عدم توازن کا مظاہرہ کیا ہے' اس سے واضح طور پر نظر آتا ہے کہ یہ نظام بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچنے والا ہے۔ بقول اقبال

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

ان نظاموں کی ناکامی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ مخصوص طبقات کے مفادات پر مبنی تھے اور وسیع تر عالمگیریت اور انسانیت کی بھلائی نام کی کوئی چیز ان میں موجود نہیں تھی۔ چنانچہ اب دنیا میں وہی نظام اپنی بالادستی قائم کرے گا جو عالمگیریت اور انسانیت کے اوصاف کا حامل ہو گا۔ اور یہ نظام بلاشک "اسلامی نظام حیات" ہے۔ وہ اسلام جو برہمن و شودر' عربی و عجمی' کالے و گورے اور چین و ماچین کے مصنوعی امتیازات کو مٹا کر تمام انسانوں کو اولاد آدم ہونے کے ناطے برابری اور برادری کی لڑی میں پروتا ہے' وہ اسلام جو مرد و زن کے صحیح مقام اور دائرہ کار کا تعین کر کے معاشرے کو استحکام بخشتا ہے' وہ اسلام جس کا خدا پوری کائنات کا خدا ہے' جس کے رسول مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ وہ جو معاشرت میں شرم و حیا' معیشت میں مساوات' سیاست میں الہیاتی حاکمیت' عدالت میں انصاف' معاملات میں راست بازی اور زندگی میں پیار کا درس دیتا ہے۔ جی ہاں! یہی اسلام انسانیت کی ضرورت ہے اور مستقبل کا پولیٹیکل آرڈر ہے کہ اس میں ظلمتوں میں گھری' سسکتی' بلکتی انسانیت کے غموں کا مداوا ہے۔

سیکولرازم کے علمبردار دانشوروں کو فکری کج روی' تعصب اور دہریت کے پردوں کو چاک کر کے اور اشتراکیت کی عینک اتار کر موجودہ حقائق و واقعات کا بے لاگ تجزیہ کرنا چاہئے۔ اور انہیں کھلے دل سے سوچنا چاہئے کہ عالمگیر انسانیت کی بھلائی کس نظام میں ہے۔ سیکولرزم میں یا اسلام ازم میں؟ اور اب واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ فرسودہ سیاسی فلسفے نزع کے عالم میں ہیں۔ اب اسلام کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ ضرور طلوع ہو گا۔ (ان شاء اللہ) آئیں سب مل کر اس کے لئے جدوجہد کریں اور مسلمان ہونے کا مظاہرہ کریں!○○

ضرورت رشتہ

برائے سول انجینئر (ریٹائرڈ) پنجابی' سید سنی' ماہانہ آمدنی اوسطاً ۱۰ ہزار روپیہ' فارغ البال' برائے عقد ثانی۔ دینی رجحان کی حامل خاتون خانہ کا رشتہ درکار ہے۔ ذات' تعلیم وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔

معرفت : سردار اعوان

۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

تصحیح

گزشتہ شمارے کا نمبر ⑥ کے بجائے غلطی سے ⑨ درج ہو گیا ہے۔ تصحیح فرمالیں۔

فردِ واحد کی خاطر پوری مہاجر قوم کی زندگی کو داؤ پر لگانا دانشمندی نہیں

قائدِ حزبِ اختلاف کو ایم کیو ایم سے ہمدردی صرف اپنے مفادات کے باعث ہے!

سارا بوجھ اب ایم کیو ایم کے قائدین کے کاندھوں پر ہے کہ وہ مہاجروں کو اس عذاب سے نجات دلائیں

تحریر: گیاہ ضعیف

ایم کیو ایم جس کو اللہ تعالیٰ نے کامیابیوں کی معراج عطا کی تھی جس کی ابتدا ایک طلباء تنظیم سے ہوئی اور بعد ازاں آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی سطح پر ایم کیو ایم کی صورت میں پہلے سندھ کے شہری علاقوں کے بلدیاتی اداروں اور آخر کار ملک کی سیاست پر اس طرح چھائی کہ جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جسے ملک کی دو بڑی پارٹیوں نے اپنے اقتدار کے لئے زینہ کے طور پر استعمال کیا اور اس کے ناز برداشت کئے آج اس کا یہ حال ہے کہ اس کی ایک سابق حلیف پارٹی اس کا کس بل نکالنے میں مصروف ہے اور صورتحال یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اس کے قائد اپنے کارکنوں کو یہ ہدایت دے رہے ہیں کہ اپنے آپ کو اس طرح چھپا لو کہ سورج کی کرن بھی تم پر نہ پڑے۔ ایم کیو ایم ایک عام سیاسی جماعت نہیں بلکہ ایک ایسی تنظیم ہے جس سے پاکستان کے خالقوں کی اولادوں پر مشتمل ایک کروڑ سے زیادہ آبادی کی قسمت وابستہ ہے جسے اس تنظیم نے ایک عظیم سیاسی غلطی کا ارتکاب کر کے ایک قوم کی شکل دے دی اور اسے قومی دھارے سے الگ کر لیا۔ اس تنظیم کے ذمہ داروں کو غور کرنا ہوگا کہ آخر ان سے کہاں غلطی ہوئی ہے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس تنظیم نے مہاجروں کو ایک قومیت کی شکل دی تو دلیل یہ پیش کی گئی کہ جب ملک میں پنجابی، پختون، سندھی اور بلوچ قومیتیں ہو سکتی ہیں تو مہاجر قومیت کیوں نہیں ہو سکتی۔ آج پنجابی، پختون، سندھی اور بلوچ قومیتیں قومی دھارے سے الگ نہیں ہیں۔ اگر مہاجر قومی دھارے سے الگ ہو گئے ہیں تو اس کی کیا وجوہ ہیں۔ آج پاکستان میں متعدد سیاسی پارٹیاں موجود ہیں لیکن کسی پر بھی دہشت گردی کا لیبل نہیں لگا۔ آخر کار یہ کلنک کا ٹیکہ ایم کیو ایم کے ماتھے پر کیوں لگ چکا ہے۔ آج اگر اس کے قائد نے غور نہ کیا اور اپنی غلطیوں کا ازالہ نہ کیا تو مہاجروں کی آئندہ نسل کو اس بنا پر جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس کے لئے وہ بھی ایم کیو ایم کو معاف نہیں کرے گی۔ خیر یہ باتیں تو ان کے سوچنے کی ہیں میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کا کوئی مصور اپنے شاہکار پر خط تنسیخ نہیں پھیرتا۔ کوئی موجد اپنی ایجاد کو صفحہ ہستی سے نہیں مٹاتا۔ یہ تو بچوں کا کام ہے کہ جن کھلونوں سے کھیلتے ہیں جب دل بھر جائے تو اسے توڑ پھینکتے ہیں کیونکہ جن پیسوں سے وہ کھلونے خریدے گئے وہ اس کے والد کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس پیسے کے حصول کے لئے اس کے والد کو جس طرح اپنا خون پسینہ ایک کرنا پڑا ہے اس کا احساس بچے کو ہو ہی نہیں سکتا۔ ایم کیو ایم کے قائدین پاکستان کے معماروں کی اولاد ہیں۔ انہوں نے دیکھا نہیں تو کم از کم پاکستان کی تاریخ سے یہ اندازہ ضرور لگایا ہوگا کہ اگر پاکستان میں دولخت ہوا تو اسی قومیت کے فتنے سے۔ ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے آباؤ و اجداد کے خوابوں کی جنت کو بچانے کے لئے قومیتوں کے فتنے کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے نہ کہ خود اس فتنہ کو تقویت پہنچانے کا باعث بنتے۔ آج صورتحال یہ ہے کہ کراچی کے مسئلہ کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آتا۔ کہتے ہیں کہ کراچی کا الگ صوبہ بنانے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سندھی قوم کے لئے تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے ہی پاکستان کی دوسری قومیتوں کے قائدین بھی کراچی کے صوبے کے قیام کے لئے آمادہ نہیں۔ ان حالات میں سارا بوجھ ایم کیو ایم کے قائدین کے کاندھوں پر ہے کہ وہ مہاجروں کو اس عذاب سے نجات دلائیں اور فرار کی راہ اختیار کرنے کی بجائے حقائق کا سامنا کریں۔ آرمی آپریشن کے ساتھ ساتھ ان کے قائدین کا زیرِ زمین چلے جانا، اسمبلیوں سے اجتماعی استعفے اور پھر تحریک کے قائد کا اپنی قوم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا اور اب کارکنوں کو یہ ہدایت کہ وہ اس طرح چھپ جائیں کہ سورج کی کرنیں بھی انہیں نہ دیکھ پائیں۔ حقائق سے فرار ہے۔ فردِ واحد کی زندگی کی خاطر پوری مہاجر قوم کی زندگی کو داؤ پر لگا دینا دانش مندی نہیں۔ مہاجر قوم نے گزشتہ تین چار برسوں کے دوران اپنی قیادت کی خاطر بہت قربانیاں دی ہیں اب قیادت کی باری ہے۔ مہاجروں سے لوگوں کو جتنا بھی اختلاف کیوں نہ رہا ہو، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہرحال پاکستان کے لئے یہاں کے لوگوں کی نسبت زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ لیکن آج وہی مہاجر ناپسندیدہ اور دہشت گردی اور وطن دشمنی کی علامت بن گیا ہے۔ اعداد و شمار پیش کئے جاتے رہے ہیں کہ مہاجروں کو مختلف سرکاری محکموں میں کیا مقام حاصل ہے لیکن کوئی ہے جو اس حقیقت کو منظر عام پر لائے کہ ایم کیو ایم کے وجود میں آنے سے قبل اعداد و شمار میں فرق و تفاوت کتنا تھا اور آج کتنا ہے۔ کیا اس میں کچھ کمی ہوئی ہے یا ہر گزرتے دن کے ساتھ زیادتی ہی

> "فردِ واحد کی زندگی کی خاطر پوری مہاجر قوم کی زندگی کو داؤ پر لگا دینا دانش مندی نہیں۔ مہاجر قوم نے گزشتہ تین چار برسوں کے دوران اپنی قیادت کی خاطر بہت قربانیاں دی ہیں اب قیادت کی باری ہے"

ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ تو معاملہ تھا سرکاری محکموں کا، نجی شعبوں میں ملازمتوں کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اس پر مستزاد جو لوگ نجی اداروں میں ملازم تھے وہ ان اداروں کے بند ہو جانے کے بعد بیروزگار ہو چکے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے سروے کیا ہے کہ ایسے بیروزگاروں کی تعداد کتنی ہو چکی ہے۔ نوجوان نسل کے ہاتھوں میں کلاشنکوف اور ٹی ٹی تھما کر انہیں بھتے وصول کرنے اور ڈاکے ڈالنے کا عادی بنا دیا گیا ہے۔ اگر امن و امان بحال ہو بھی جائے جس کے امکانات مستقبل قریب میں نظر نہیں آتے تو کیا یہ نوجوان جو مجرمانہ زندگی گزارنے کے عادی ہو گئے ہیں کوئی ملازمت یا کاروبار کرنے کے قابل رہ سکیں گے۔

اب آیئے معاشرتی سطح پر۔ کتنے ماؤں کے لال اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ کتنی عورتیں بیوہ ہو چکی ہیں، کتنے بچے یتیم ہو چکے ہیں، کتنے خاندان برباد ہو چکے ہیں۔ مختلف اعداد و شمار آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کی بحالی ممکن ہو گی۔

ایک طرف جعلی پولیس مقابلوں میں ہلاکتیں ہیں تو دوسری جانب ہڑتالوں کے نتیجے میں معاشی تباہی۔ دونوں صورتوں میں نقصان کس کا ہو رہا ہے؟ پیپلز پارٹی اپنے اقدامات کے نتیجے میں اس زعم میں مبتلا ہے کہ اس کا اقتدار مستحکم ہے۔ اسے اپنی مقبولیت پر ناز ہے۔ قائد حزب اختلاف کو ایم کیو ایم سے ہمدردی ہے تو صرف اپنے مفاد کے لئے ورنہ وہ اسے قومی مسئلہ سمجھتے تو کم از کم ایک دن ہی کی سہی خالصتاً کراچی کے مسئلے پر پورے ملک میں ہڑتال ہی کروا دیتے۔ سیاسی مذہبی جماعتیں اس پر مطمئن ہیں کہ اب میدان خالی ہے چنانچہ عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے بیانات دیئے جا رہے ہیں لیکن عملاً وہ بھی کچھ نہیں کر رہے۔ مہاجر قوم کی کشتی آج طوفان میں پھنس چکی ہے ہچکولے پر ہچکولے کھا رہی ہے۔ اگر اسے قومی رہنماؤں نے بچانے کی کوشش نہ کی تو اندیشہ ہے کہ مصائب کے سمندر کی خوفناک موجیں اسے کسی ویران جزیرے میں لے جا کر پھینک دیں جہاں خوفناک درندے اس کے منتظر ہیں۔ ایم کیو ایم کے قائد کی اپنے کارکنوں کے لئے تازہ ہدایت پر مجھے یہ ارشاد ربانی یاد آیا (ترجمہ) اللہ ایمان والوں کا دوست ہے جو اسے تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جھٹلانے والوں کے دوست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان جیسی نعمت نعمت عطا کی لیکن ہم کفران نعمت کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے ناراض ہو کر ہمیں طاغوتی طاقتوں کے حوالے کر دیا ہے جو ہمیں روشنی سے مسلسل تاریکی میں دھکیل رہے ہیں۔ ہماری حالت قرآن حکیم میں درج اس مثال کی سی ہو گئی ہے جس میں ایک شخص گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں جبکہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے آگے بڑھنے کی سعی میں مصروف ہے۔ جب بھی بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چند قدم آگے بڑھ جاتا ہے لیکن پھر وہی تاریکی مسلط ہو جاتی ہے۔ اسلام کے منافقانہ نعرے، روٹی کپڑا اور مکان کے سبز باغ یہ حقوق کی جنگ وہ بجلیاں ہیں جن کی روشنی میں قوم چند قدم آگے بڑھی ہے پھر تاریکی ہی تاریکی۔ ایسی تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ ہماری حالت تھوڑے سے تصرف کے ساتھ اس شعر کے مصداق ہو چکی ہے کہ۔

چلتا ہوں تھوڑی دیر ہر ایک راہزن کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

کاش کہ ہم پاکستانیوں کو کوئی ایسی قیادت میسر آ جائے جو اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جا سکے۔ لیکن اس کے لئے تو روشنی کے خالق سے رجوع کرنا ناگزیر ہے اور دعا بھی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہم میں راہبر اور راہزن کی تمیز پیدا فرما دے۔

ان شاء اللہ العزیز

۲۳ مارچ ۹۶ء بروز ہفتہ، بعد نماز عشاء
بلدیہ گراؤنڈ، صدر بازار، ساہیوال میں

داعیٔ انقلابِ اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

سلطنتِ خداداد پاکستان کا مستقبل:

نظامِ خلافت کے قیام کا نقطۂ آغاز؟
یا نئے عالمی یہودی استعمار کا آلۂ کار

کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے

شرکت کی عام دعوت ہے

زیرِ انتظام: تنظیم اسلامی حلقہ لاہور ڈویژن

برائے رابطہ: قرآن لائبریری ۱۴۱ ۔ ایکس بر کی روڈ ۔ اسکیم نمبر ۳ ۔ فرید ٹاؤن، ساہیوال

ہندو تقسیمِ ہند کو آج تک ذہناً قبول نہیں کر سکا!

بھارت نے پاکستان کو ناکام بنانے کا ہر حربہ آزمالیا ہے

کیا معاشی ترقی کے لئے پاک بھارت تقسیم کو ختم کرنا ضروری ہے؟

دہلی کے سنٹر فار سٹڈی آف ڈی ویلپنگ سوسائٹیز کے حالیہ سینئر فیلو روی رکھئی (RAVI RIKHYE) کا "INDIA ABROAD" میں شائع شدہ مضمون

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

پاکستان کو اسلحہ کی فراہمی کے حالیہ امریکی منصوبے کے ساتھ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امریکی حکومت جنوبی ایشیا میں دو قومی نظریئے کی پھر سے حمایت ظاہر کرنے لگی ہے لہٰذا بھارت کو چاہئے کہ

"فوج کی تعمیر نو کے بعد پاکستان کو دوبارہ ہندوستان میں شامل کرنے کے لئے ہمیں اپنے مختلف ذرائع متصلاً بروئے کار لانا ہوں گے اس کام کے لئے زیادہ سے زیادہ پانچ سے سات سال کا عرصہ درکار ہو گا"

اب امریکہ کو صاف صاف بتا دے کہ دو قومی نظریہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں۔ ہم نے ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک ایک لمحے کے لئے بھی برعظیم کی تقسیم کو ذہناً تسلیم نہیں کیا لیکن یہ بات اب کھل کر کہنی ہوگی۔ تقسیم پر نہرو کی رضامندی محض ایک چال تھی تاکہ برطانیہ جلد ہندوستان سے چلا جائے ورنہ اگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوتا تو برطانیہ کو مزید یہاں رہنے کا موقعہ ملتا اور نہرو کو یہ توقع تھی کہ پاکستان جلد ناکام ہو کر دوبارہ بھارت کے ساتھ آ ملے گا۔

فرض کریں امریکہ میں ہسپانوی ایک کنارے کیلیفورنیا' ٹیکساس اور جنوب مغربی ریاستوں پر مشتمل اور دوسرے کنارے فلوریڈا اور جنوب مشرق کے ایک حصے پر مشتمل ایک آزاد ملک قائم کر لیتے ہیں۔ یہ نئی قوم اوریگن اور واشنگٹن پر اپنا حق جتلاتی ہے۔ پندرہ ماہ کے تعطل کے بعد دونوں ریاستیں دو قوموں کے درمیان تقسیم ہو جاتی ہیں' ہسپانوی قوم ننانوے فیصد امریکیوں کو وہاں سے نکال باہر کرتی ہے جبکہ بہت سے ہسپانوی امریکہ میں ہی رہتے ہیں۔ اب فرض کریں کہ یہ نئی ہسپانوی قوم جاپان کی اتحادی بن جاتی ہے جو عالمی سطح پر اپنی بالادستی قائم کرنے کی فکر میں ہے۔ اس سے بھی آگے وہ ایک ابھرتی ہوئی طاقت سوویت یونین کے ساتھ اتحاد قائم کر کے الاسکا پر اپنے پرانے دعوے لے کر کھڑی ہو جاتی ہے اور عالمی سطح پر اپنی حیثیت بنانے کی کوشش کرنے لگتی ہے۔

"تقسیم کے بعد پاکستان کے قائم رہنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ۵۰ برس کی آگے پیچھے کی رفاقت کے دوران امریکہ نے اسے سہارا دیا' تقویت فراہم کی اور باقی رکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھارتی رویہ میں اعتدال آ گیا چنانچہ ہم یہاں تک آ گئے کہ پاکستان نیپال یا سری لنکا کی طرح ثانوی حیثیت میں رہے تو ہمیں اعتراض نہیں"

شمال مغربی ریاستوں کے جھگڑے کی وجہ سے نئی ہسپانوی قوم اور امریکہ کے درمیان کئی دفعہ جنگ تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ الاسکا کے مسئلے پر امریکہ اور روس کے درمیان بھی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ تین دہائیوں پر محیط محاذ آرائی کے نتیجے میں روس کی شہ پر امریکہ میں علیحدگی کی تحریکیں جنم لیتی ہیں۔ اس دوران نئی ہسپانوی قوم مشترک ثقافت کو بنیاد بنا کر میکسیکو اور مرکزی اور جنوبی امریکہ کو یو۔ ایس۔ اے کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتی ہے ساتھ ہی چاپلوسی وغیرہ کر کے کینیڈا کو بھی یو۔ ایس کے مقابلے میں لا کھڑا کرتی ہے۔

جزائر غرب الہند الگ امریکی بالادستی کے خوف سے گاہے بگاہے جاپان کے ساتھ اتحاد کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ قصہ مختصر امریکہ ہر طرف سے دشمنوں میں گھر جاتا ہے۔ اندرونی طور پر نئی وجود میں آنے والی ہسپانوی قوم اور روس کی مدد سے دوسرے اقلیتی گروہ خصوصی اختیارات طلب کرنے لگتے ہیں

بلکہ امریکہ سے آزادی چاہتے ہیں۔ اب فرض کیجئے جاپان ہر اس کوشش کو ناکام بنادیتا ہے جو امریکہ کو متحد کرنے کے لئے کی جاتی ہے تاکہ امریکہ اس کے زیر اثر رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اس کا فرمانبردار رہے۔

> "۱۹۷۰ء کے بعد کئی مواقع پر بھارت کے آگے رکاوٹ پیدا کرنے میں امریکہ نے جو کردار ادا کیا ہے لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ راقم کے علم میں کم سے کم پانچ ایسے مواقع ہیں جن میں پاکستان کا مسئلہ ختم کرنے سے بھارت کو امریکہ نے باز رکھا"

کیا واشنگٹن کے لئے یہ صورتحال قابل قبول ہوگی؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اگر آپ کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ ان حالات میں امریکہ میں زندگی کس قدر غیر محفوظ اور ہولناک ہو جائے گی تو آپ بخوبی یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ دو قومی نظریہ کیوں ہندوستان کو قابل قبول نہیں۔

تقسیم کے بعد پاکستان کے قائم رہنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ۵۰ برس کی آگے پیچھے کی رفاقت کے دوران امریکہ نے اسے سہارا دیا' تقویت فراہم کی اور باقی رکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھارتی رویہ میں اعتدال آتا گیا چنانچہ ہم یہاں تک آگئے کہ پاکستان نیپال یا سری لنکا کی طرح ثانوی حیثیت میں رہے تو ہمیں اعتراض نہیں یعنی نہ تو وہ ہمارے مقابلے میں آنے کے قابل ہو' اور نہ ہی اس میں اتنی جرات ہو کہ ہماری حکم عدولی کر سکے۔ پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں میں پاک امریکہ تعلقات نے ہماری یہ خواہش بھی پوری نہ ہونے دی۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ہم نے پاکستان کے اندر تخریب کاری کے ذریعے اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا ذمہ لیا۔ بنگال میں ہمیں کامیابی ہوئی لیکن بلوچستان اور سرحد میں کامیاب نہ ہو سکے مگر دولخت ہونے کے بعد مغربی حصہ کمزور ہونے کی بجائے الثاشیر ہو گیا اور بھارت کے لئے پہلے کی نسبت زیادہ نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔

۱۹۸۰ء کی دہائی میں ہم نے پھر پینترا بدلا اور طاقت کے بل پر شمالی حصے کو پاکستان سے کاٹنے کی کارروائی شروع کی۔ اس میں جو ناکامی ہوئی اس کے اسباب کی تہہ میں جانے کا یہاں موقعہ نہیں۔ بہرحال اس کے بعد تخریب کاری کے لئے ہم نے سندھ کا انتخاب کیا اور فوج کے ذریعے دباؤ ڈال کر اسے پاکستان سے کاٹنے کی کوشش کی' اس کارروائی کو "براس ٹیک" کا نام دیا گیا--- شمالی علاقہ حاصل کرنے کی ایک اور کوشش کے طور پر ایک سہ رخی کارروائی "Trident" کی گئی مگر اس میں بھی ناکامی ہمارا مقدر ٹھہری۔

پاکستان نے پنجاب میں جوابی کارروائی شروع کر کے ہماری بیشتر توانائیاں اس طرف پھیر کر ایک حد تک ہمیں دفاعی پوزیشن میں لا کر کھڑا کر دیا۔ کشمیر میں پاکستان نے ایسا زوردار داؤ چلایا کہ ۱۹۹۵ء میں بھارت پورے طور پر دفاعی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مقبوضہ (آزاد) کشمیر اور پاکستان میں قائم دہشت گردی کے تربیتی کیمپ تباہ کرنے کی ہماری سکیمیں Avert I and II قبل از وقت ظاہر ہو گئیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ تقسیم ختم کرانے کے خواب اب خیال بن چکے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے بعد کئی مواقع پر بھارت کے آگے رکاوٹ پیدا کرنے میں امریکہ نے جو کردار ادا کیا ہے لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ راقم کے علم میں کم سے کم پانچ ایسے مواقع ہیں جن میں

> "۱۹۷۱ء میں بنگالی علیحدگی پسندوں کی مدد اور حوصلہ افزائی نے بھارت کو معمولی سی طاقت میدان میں لا کر پاکستان کو دولخت کرنے کے قابل بنا دیا۔ لیکن سندھ میں یہ مقصد اس لئے پورا نہ ہو سکا کہ پاکستان نے جوابی طور پر پنجاب اور کشمیر میں محاذ کھول لیا"

پاکستان کا مسئلہ ختم کرنے سے بھارت کو امریکہ نے باز رکھا۔ ان میں ۱۹۷۱ء کی جنگ' ۱۹۸۰ء کی دہائی کا نصف ثانی' براس ٹیک' ٹرائڈنٹ (Tridents) اور ایورٹ I' 2 (Avert I and II) قابل ذکر ہیں۔ آخری چار سکیمیں ایسی تھیں کہ بھارت آسانی سے پاکستان کی کمر توڑ سکتا تھا اور اگر باقاعدہ جنگ کی نوبت آتی تو پاکستان کا خاتمہ ہو جاتا۔ پاکستان کے حق میں امریکہ کی براہ راست مداخلت کے علاوہ بلاواسطہ مداخلت کی بے شمار مثالیں ہیں۔ افغانستان پر روسی تسلط کے نتیجے میں آٹھ سال تک پاکستان کو امریکی تحفظ حاصل رہا جس نے کسی بھی بھارتی کاروائی کا راستہ روکے رکھا۔

۱۹۹۰ء کی دہائی کے اواخر سے امریکہ نے بھارت کو باز رکھنے کے لئے پاکستان کا ایٹمی طاقت ہونا بھی گوارا کر لیا ہے۔ پاکستان تاحال ایٹمی اسلحہ سے محروم ہے تاہم اگر اس کا یہ پروگرام جاری رہا تو ۲۰۰۵ء تک وہ پہلا ایٹم بم تیار کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ دوسری طرف بھارت کو جوہری ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدوں کی بات چیت میں الجھا کر امریکی مطمئن ہیں کہ بھارت پاکستان کے جوہری پروگرام کو ناکام بنانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس قسم کی مثالیں بیان کی جائیں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ قصہ مختصر' جہاں بھی دیکھیں برصغیر میں امریکی اثرات نظر آئیں گے۔ بمبئی میں ہونے والے بم دھماکوں میں جو دھماکہ خیز مادہ استعمال ہوا وہ بھی امریکی اثرات سے خالی نہیں۔ (سی آئی اے سے پاکستانی آئی ایس آئی سے افغان مزاحمت سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ واپس آئی ایس آئی سے دہشت گردی کی کارروائیوں تک پہنچا ہے) چین کی ایٹمی طاقت کے خلاف بھارتی سلامتی (بھارت کو غیر مسلح کرنے کے لئے ۵ ملکوں کی مجوزہ کانفرنس' جبکہ چین پر کوئی روک ٹوک نہیں) اور بھارت کا دفاعی بجٹ (واشنگٹن کے براہ راست دباؤ کے تحت بھارت کے دفاعی بجٹ میں کل آمدنی کے ۲.۵ فیصد کے حساب سے کمی کی گئی ہے۔ عالمی بینک اور آئی۔ ایم۔ ایف کے ذریعے بھارتی مسلح افواج کو ناکارہ بنانے کی کارروائیاں اس پر مستزاد ہیں)۔

ہمارے لئے اب باقی دو ہی راستے کھلے رہ گئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اسی اپنے روایتی انداز میں امریکہ کے سامنے رونا دھونا کرتے رہیں کہ وہ پاکستان کی حمایت ترک کر دے لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو گا۔ آپ اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے یہ کام کرتے چلے جایئے۔ امریکہ پاکستان کو اس لئے نہیں چاہتا کہ اسے بھارت سے کوئی نفرت ہے بلکہ دو

قومی نظریہ امریکہ کے اپنے مفاد میں ہے۔ ہمارے کہنے پر وہ اپنے جغرافیائی مفادات تج نہیں دے گا۔ کسی بھی ملک کو آپ اس کے اپنے مفادات کے خلاف کام کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ ایک مضبوط اور متحد ہندوستان امریکہ کے لئے گھاٹے کا سودا ہے' بلکہ اس کی راہ میں رکاوٹ ہو گا۔ ہمیں حقائق سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے اور امریکیوں کو یہ مشورے دینا چھوڑ دینا چاہئے کہ پاکستان کی حمایت کرنا اس کے لئے نقصان دہ ہو گا۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ ہم صرف اپنی سعی و جہد سے ہی تقسیم ختم کرا سکتے ہیں اور اپنے ملک کی سلامتی کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ حکمت عملی کے طور پر تحقیقاتی اور تجزیاتی شعبے کے پیش کردہ فارمولے کی افادیت واضح ہو کر سامنے آ چکی ہے۔

۱۹۷۱ء میں بنگالی علیحدگی پسندوں کی مدد اور حوصلہ افزائی نے بھارت کو معمولی سی طاقت میدان میں لا کر پاکستان کو دولخت کرنے کے قابل بنا دیا۔ لیکن سندھ میں یہ مقصد اس لئے پورا نہ ہو سکا کہ پاکستان نے جوابی طور پر پنجاب اور کشمیر میں محاذ کھول لیا۔ سندھ میں پاکستان کی جان پر بنی ہے لیکن بدقسمتی سے کشمیر میں ہماری حالت اس سے بھی خراب ہے۔ اس کا سوائے سیدھے ٹکر لینے کے اور کوئی حل نہیں۔ سب سے پہلے ہمیں جوہری آزمائش کا کام شروع کر کے ایٹم بم تیار کرنے کی رفتار تیز کرنی چاہئے۔ جوہری ہتھیار تقسیم کو ختم کرنے میں کوئی مدد نہیں دیں گے لیکن ان سے ہمارے اپنے اعتماد میں اضافہ ہو گا اور بھارتی سلامتی کے بارے میں مشکل فیصلے کرنا آسان ہو جائے گا۔ دوسرا اہم کام کشمیر میں بغاوت کو ختم کرنا ہے اور یہ کام ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں۔ اگر اتنے عرصے سے یہ بغاوت ختم نہیں ہو سکی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب لڑنے کا وقت ہوتا ہے تو بھارتی حکومت گومگو اور لیت و لعل کے عالم میں بات چیت میں مشغول ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک مقامی اور پاکستانی باغیوں کو مناسب جواب نہیں دیا جا سکا۔ جس کے لئے بے پناہ وسائل اور اس سے بھی زیادہ فولادی قوت ارادی چاہئے ہوتی ہے۔ کسی بغاوت کو کچلنے کے لئے انتہائی وحشیانہ کارروائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تیسرے نمبر پر ہمیں روس کے ساتھ از سر نو تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ ہمیں ساتھی درکار ہیں اور روس ہمارا روایتی ساتھی ہے۔ سرد جنگ کے دوران روس اور امریکہ دونوں کے ساتھ تعلقات ضروری تھے مگر اب ہم امریکہ کے پٹھو بن کر رہ گئے ہیں اور یہ عدم توازن دور کرنا لازمی ہے اور آخری بات یہ کہ فوج کو نئے سرے سے تیار کیا جائے۔

آغاز اس سے ہو کہ فوج کے لئے بجٹ میں کل قومی آمدنی کے ۵ فیصد کے حساب سے اضافہ کیا جائے اور یہ اضافہ ہمارے لئے مستقلاً جاری رکھنا مشکل نہیں۔ فوج کی تعمیر نو کے بعد پاکستان کو دوبارہ ہندوستان میں شامل کرنے کے لئے ہمیں اپنے مختلف ذرائع متصلاً بروئے کار لانا ہوں گے اس کام کے لئے زیادہ سے زیادہ پانچ سے سات سال کا عرصہ درکار ہو گا۔

ان ذرائع میں تخریب کاری' سیاسی دباؤ' معاشی ترغیب اور کھلم کھلا طاقت کا استعمال شامل ہوں گے۔

اگر ہم یہ نہیں کرتے تو جو کچھ ہو رہا ہے وہی کچھ آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ ہماری خارجہ پالیسی' ملکی سلامتی اور ہمارے اندرونی حالات پر امریکی گرفت سخت ہوتی چلی جائے گی۔ کشمیری بغاوت بھارت کے لئے مسلسل ناسور بنی رہے گی۔ بھارت کے مزید علاقوں میں بے چینی بڑھے گی' چین اپنا غلبہ جاری رکھے گا' چھوٹا سے ملک تائیوان اور جنوبی کوریا عالمی معیشت پر جو دسترس حاصل کر گیا ہے دیو قامت ہندوستان اس سے بھی پیچھے رہے گا اور ہم بدستور ایک دوسرے درجے کی طاقت شمار ہوتے رہیں گے۔

ہاتھی کے دانت

۴۹ سالہ محمد المصاری سعودی حکمرانوں کی نظر میں ایک انتہائی ناپسندیدہ اور خطرناک شخص ہیں اس لئے کہ وہ سعودی شاہی خاندان کی کرپشن' انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔

گزشتہ تقریباً دو برس سے محمد المصاری کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر جمعہ کے روز ایک خبرنامہ لندن سے اپنے حلقہ احباب کو فیکس کرتے ہیں' جس میں سعودی حکمرانوں پر شدید تنقید ہوتی ہے۔ ۱۹۹۴ء میں وہ خفیہ طور پر سعودی عرب سے لندن پہنچے اور سیاسی پناہ کے لئے درخواست کی۔ چند ہفتے قبل انہیں برطانوی حکومت کی طرف سے ایک فیکس موصول ہوا کہ انہیں برطانیہ بدر کر کے ڈومینکا کے جزیرے میں بھیجا جا رہا ہے۔ آزادی رائے اور حقوق انسانی کی تنظیموں کے شدید احتجاج کے باوجود وزیر اعظم جان میجر کی حکومت اپنے اس فیصلے پر قائم ہے کیونکہ برطانیہ میں محمد المصاری کی موجودگی سے سعودی عرب سے اربوں ڈالر کے اسلحے کی خریداری کے معاہدے خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔ چنانچہ جان میجر پر برطانوی اسلحہ ساز کمپنیوں کا دباؤ تھا کہ محمد المصاری کو برطانیہ سے نکال دیا جائے۔ انہوں نے اس کا یہ جواز پیش کیا ہے کہ سعودی عرب کی حکومت کا استحکام مشرق وسطیٰ میں نہایت ضروری ہے' اور ہم کسی ایسے شخص کو آسائشیں فراہم نہیں کر سکتے جو اس استحکام کے درپے ہو۔ محمد المصاری حکومت کے اس فیصلے کے خلاف عدالت میں اپیل کر رہے ہیں' جس کا فیصلہ ہونے تک وہ برطانیہ میں ہی مقیم رہیں گے۔

محمد المصاری کے معاملے سے مغربی حکومتوں کی دوغلی پالیسی اور زیادہ واضح ہو گئی ہے جو پوری دنیا میں جمہوریت' آزادی رائے' اور انسانی حقوق کا ڈھنڈورہ پیٹتے نہیں تھکتے لیکن جب ان کے اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کو خطرہ لاحق ہو تو سارے اصول دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

محمد المصاری کا کہنا ہے کہ سعودی حکومت ایک بدعنوان مافیا ہے جو بے انتہا دولت پر قابض ہے' جبکہ ہم ایک جمہوری اور منتخب حکومت چاہتے ہیں جو عوام کے سامنے جواب دہ ہو' قانون کی حکمرانی ہو اور عدلیہ پوری طرح آزاد ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ برطانی حکومت ان کو ایک بنیاد پرست اور دہشت گرد کے طور پر بدنام کرنا چاہتی ہے۔ محمد المصاری کو ۱۹۹۳ء میں چھ ماہ تک سعودی حکومت نے قید میں رکھ کر تشدد کا نشانہ بنایا۔ ان کے بعض حامیوں نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ سعودی حکومت انہیں اغوا یا قتل کرانے کی کوشش بھی کر سکتی ہے۔

(نیویارک ٹائمز: ۳۰ جنوری ۹۶ء)

عراق کی تباہی کے بعد نیو ورلڈ آرڈر کا اگلا ہدف ایران اور پاکستان ہے

ایران مسئلہ کشمیر پر پاکستان اور بھارت میں مصالحت کرانا چاہتا ہے

بھارت کے ساتھ دو طرفہ بنیادوں پر مسائل حل کرنے کی کوشش کوئی غلط کام نہیں

پاکستان کو چاہئے کہ چین جیسے دیرینہ دوست اور عظیم ہمسائے سے اپنے تعلقات میں کمی نہ آنے دے

نوائے وقت کے ادارتی نوٹ ' کے جواب میں نعیم اختر عدنان کی تحریر

نوائے وقت ایک اخبار ہی نہیں بلکہ ایک تحریک اور مشن کا نام بھی ہے۔ تحریک پاکستان اور نوائے وقت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا مگر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک پاکستان کی نظریاتی' سیاسی' سماجی اور مذہبی اقدار کی حفاظت و آبیاری کے لئے نوائے وقت جو خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ انہیں اندرون ملک اور بیرونی دنیا میں یکساں طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ملکی و بین الاقوامی حالات و واقعات کے بارے میں تبصروں اور تجزیوں سے بھرپور نوائے وقت کے ادارتی صفحات اپنی مثال آپ ہیں۔ بایں ہمہ نوائے وقت کا ادارتی شذرہ "نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ --- ڈاکٹر اسرار کی انوکھی تجویز" نوائے وقت کی زینت بنا جس میں معروف سکالر اور دینی رہنما ڈاکٹر اسرار احمد کے خیالات کو تمسخر آمیز انداز میں ہدف تنقید بنایا گیا۔ نیو ورلڈ آرڈر کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف کیا ہے اور فاضل شذرہ نگار کی اس پر تنقید کی کیا حقیقت ہے۔ اس کا ایک جائزہ پیش ہے۔

افغانستان میں روس کی شکست کے بعد دنیا "یونی پولر" ہو گئی ہے امریکہ کی قیادت میں مغرب کا ہدف اب مسلمان ہیں۔ ماضی میں مسلم دنیا پر اہل کلیسا نے صلیبی جنگوں کی صورت میں یورش کی اور پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد مسلم دنیا براہ راست نوآبادیاتی غلامی کا شکار بھی ہوئی۔ مغرب کے اس نوآبادیاتی استعمار سے مسلم دنیا کی رہائی کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ اب ایک نیا عالمی استعمار مسلمانوں پر حملہ آور ہو چکا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر میں چھپے "صیونی عزائم" سے پردہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد جیسے "مرد خود آگاہ و خدا مست" نے امت مسلمہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ مسلمانوں کا اصل دشمن "یہود" ہے اور امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر حقیقت میں "جیو ورلڈ آرڈر" (Jew World Order) ہے۔ اس نئے عالمی یہودی استعمار کا اصل ہدف اور نشانہ مسلم امہ ہے۔ سعودی عرب' مصر' اردن' شام' لبنان اور فلسطین سب کے

> "مسلمانوں کا اصل دشمن "یہود" ہے اور امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر حقیقت میں "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ اس نئے عالمی یہودی استعمار کا اصل ہدف اور نشانہ مسلم امہ ہے"

سب اپنے امریکی آقا کی نگرانی میں اسرائیل کے ساتھ دوستی کے رشتوں اور امن معاہدوں میں بندھ کر یہودیوں کے آگے سجدہ ریز ہو چکے ہیں شاہ فہد ہوں یا حسنی مبارک' یاسر عرفات اور حافظ الاسد ہوں یا شاہ حسین سب اسرائیل کے آگے ایک ہی صف میں کھڑے یہود کے "نیاز مند" اور "باج گزار" بن چکے ہیں۔ عرب ممالک میں عراق ہی ایک ایسا ملک تھا جو فوجی لحاظ سے طاقت ور تھا اور اس میں سرکشی و بغاوت کے جراثیم بھی موجود تھے مگر شومئی قسمت سے عراق میں معین امریکی سفیرہ مس گلاسپائی کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر صدام حسین کویت پر حملہ کی حماقت کر کے۔ "لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا' کے مصداق عراق امریکی سازش کا شکار ہو گیا۔ عراق کو تباہ و برباد کرنے کے بعد نیو ورلڈ آرڈر کا اگلا ہدف ایران اور پاکستان ہے۔ اس حقیقت سے مرزا اسلم بیگ نے پاک فوج کے سربراہ کی حیثیت سے بھی پردہ اٹھایا اور اب تک وہ اپنے اسی موقف پر قائم ہیں۔ یہ حقیقت اب آشکارا ہو چکی ہے کہ امریکہ نے ایران کی انقلابی حکومت کے خاتمے کے لئے ایک خطیر رقم مختص کر دی ہے۔ ایرانی حکومت نے انہی امریکی عزائم کے مقابلے کے لئے حقیقت پسندانہ اور ٹھوس بنیادوں پر اپنی خارجہ و داخلہ پالیسی استوار کی ہے۔ ایرانی وزیر خارجہ ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے اپنے ملک کی ترجمانی کرتے ہوئے "ہفت روزہ نئی دہلی" کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ "ایران بھارت سے ہر میدان میں تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کر رہا ہے"۔ ایرانی وزیر خارجہ نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا ہے کہ "ایشیائی ممالک اپنے اقتصادی و سیاسی مفادات کے لئے مل کر کام کریں"۔ انہوں نے کہا ہے کہ امریکہ اس خطے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا چاہتا ہے۔ امریکہ افغانستان کے ذریعے ایک جانب ایران کو' دوسری طرف وسط ایشیا کے ممالک' تیسری طرف چین اور چوتھی طرف برصغیر کے ممالک کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے انہی امریکی عزائم کے مقابلے کے لئے بھارت'

چین اور ایران پر مشتمل ایشیائی اتحاد کی تجویز پیش کی ہے جب کہ متبادل کے طور پر روس' ہندوستان اور ایران کے اتحاد کا نظریہ پیش کیا ہے۔ ایرانی وزیر خارجہ کے اس بصیرت افروز اور عکاس حقیقت انٹرویو کے تناظر میں ڈاکٹر اسرار احمد کے موقف کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کرنے کے لئے ایران' پاکستان' افغانستان اور وسطی ایشیا کے ممالک پر مشتمل "مسلم بلاک" قائم کیا جائے اور ساتھ ہی پاکستان کو چاہئے کہ چین جیسے دیرینہ دوست اور عظیم ہمسائے سے اپنے تعلقات میں کمی نہ آنے دے۔ ڈاکٹر اسرار احمد بھارت سے بہتر تعلقات کی بات اسی وسیع تر تناظر اور عالمی حالات کے حوالے سے کرتے ہیں۔ دونوں ممالک کے تعلقات کی بہتری میں مسئلہ کشمیر ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا موقف بھی قومی موقف سے ہم آہنگ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کئی مواقع پر کہا ہے کہ

"مسئلہ کشمیر کے ضمن میں حکومتی سطح پر طے شدہ قومی موقف پر قائم رہنا ہی درست پالیسی ہے۔ پاکستان کو چاہئے کہ وہ ایران اور چین جیسے دوست ممالک کے ذریعے بھارت کو مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے مجبور کرے۔ یہی بات ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے اپنے انٹرویو میں کہی ہے کہ "ایران مسئلہ کشمیر پر پاکستان اور بھارت میں مصالحت کرانا چاہتا ہے"۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے موقف کی درستگی اور معقولیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا۔

رہا معاملہ بھارت کے ساتھ دو طرفہ بنیادوں پر تعلقات کی بہتری کا تو ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ موقف کسی بھی حوالے سے غلط اور قابل تنقید نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مشورہ کہ مسئلہ کشمیر کے باوقار حل سمیت بھارت سے "دو طرفہ بنیادوں" پر تعلقات میں بہتری ہرگز ایسی بات نہیں جس پر نوائے وقت کے فاضل تجزیہ نگار کے لئے اظہار برہمی کا کوئی جواز بنتا ہو۔ امریکی ورلڈ آرڈر کے مقابلے کے لئے جب ایران بھارت اور چین کے ساتھ اتحاد بنانے کا خواہش مند ہے تو پاکستان ایسے مجوزہ ایشیائی اتحاد سے باہر رہ کر "اکیلا" کس طرح امریکہ کے ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کر سکے گا۔ کیا چین' ایران' افغانستان اور وسطی ایشیا کے ممالک سے الگ لائن اختیار کر کے پاکستان "یورپی استعمار کا بے دام غلام" نہیں بن جائے گا؟ امریکہ جس طرح پاکستان کو اس کی دیرینہ اور یک طرفہ دوستی کی سزا دے رہا ہے اس کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ پاکستان میں متعین امریکی سفیر یہ بھی فرما دیں کہ "پاکستان اپنے دوست خود تلاش کرے اگر پاکستان امریکہ سے دوستی نہیں چاہتا تو پھر ہمیں بھی اس کی دوستی کی ضرورت نہیں ہے" امریکہ کی اس کھلی ہوئی بے وفائی بلکہ ڈھٹائی کے بعد بھی اگر پاکستان علاقے کے اسلامی ممالک کے اتحاد میں شامل نہیں ہوتا اور چین کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط نہیں بناتا اور بھارت اور پاکستان دونوں ممالک دو طرفہ بنیادوں پر اپنے تعلقات ایک "بڑے دشمن" کے مقابلے میں باہمی مفاد کی خاطر بہتر نہیں بناتے تو پھر معاملہ یہی ہو گا کہ۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن"۔ بیان کردہ حالات و واقعات کی روشنی میں ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف ہی درست اور قابل عمل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت نہ یہ کہ اس پر بے جا تنقید کی جائے۔

نامے میرے نام

محترمی جناب ڈاکٹر صاحب السلام علیکم! آپ کا مضمون صدارتی نظام اور چھوٹے صوبے ۲۷ جنوری کے پبلک اخبار میں پڑھا۔ قومی مسائل پر آپ کے خیالات و افکار بڑے فکر انگیز اور مثبت ہوتے ہیں اس سے قبل آپ نے کشمیر کے حل کے لئے چند نتیجہ خیز تجاویز پیش کی تھیں۔ امریکہ یقیناً بندر بانٹ پر عمل کر رہا ہے اور تھرڈ آپشن کے لئے راہ ہموار کر رہا ہے چین کے خلاف گھیرا تنگ کرنے کے لئے امریکہ کو کشمیر کی اشد ضرورت ہے اسی طرح آزاد کشمیر اور سابقہ کشمیر کے دوسرے علاقوں سے بھی ہم ہاتھ دھو بیٹھیں گے اگر کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر بھارت سے کوئی معاہدہ ہو جائے تو ہم اس تباہ کن حادثہ سے بچ سکتے ہیں ارباب حل و عقد اور دانشوروں کو اس پر غور کرنا چاہئے۔

صدارتی نظام حکومت بھی اسی طرح ہمارے موجودہ انتشار کا ایک حل ہے موجودہ جمہوری نظام کو ہم انچاس سال سے آزما رہے ہیں مگر یہ نظام ہمارے مسائل حل نہیں کر سکا۔ ملک میں کرپشن' ہارس ٹریڈنگ' بلیک میلنگ' انتشار' مہنگائی ناانصافی اور بے روزگاری عروج پر ہے عام آدمی بے انتہا پریشان اور مایوس ہے۔

موجودہ نظام کے لئے اسی نوے فیصد تعلیم یافتہ آبادی کی ضرورت ہے جبکہ ہمارے یہاں صرف ۲۷ فیصد آبادی تعلیم یافتہ ہے اسی طرح اس نظام کے لئے ایک قوم کی ضرورت ہے جبکہ ہمارے یہاں چار یا پانچ قومیں آباد ہیں اور وہ اپنی قومیں چھوڑ کر پاکستانی بننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

صدارتی نظام بھی اسی صورت میں کامیاب ہو گا جبکہ صدر کا انتخاب براہ راست ہو۔ اسمبلی اور سینٹ کے ذریعہ نہ ہو ورنہ محلاتی سازشیں صدارتی نظام کو بھی ناکام بنا دیں گی۔ صدارتی نظام اسی وقت کامیاب ہو گا جب چھوٹے صوبے وجود میں آجائیں گے چھوٹے صوبے ہی تعصب کے بت کو توڑ سکتے ہیں اور قومیتوں کے اختلاف مٹا کر ایک قوم بنا سکتے ہیں۔ چھوٹے صوبوں کی صورت میں نہ پنجاب پنجاب رہے گا اور نہ سندھ سندھ رہے گا۔ ایسی صورت صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے ساتھ ہو گی اس لئے کہ اختلافات اور بے چینی اس وقت شروع ہوتی ہے جب ایک علاقہ دوسرے علاقہ کا استحصال کرتا ہے یا ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے باشندوں پر حکومت کرنے لگتے ہیں۔ آپ نے ۱۲ صوبوں کی تجویز پیش کی ہے اور ایئر مارشل اصغر خان نے بھی ۱۲ ہی صوبوں کی تجویز پیش کی تھی۔ ۱۲ صوبوں کی تشکیل سے کوئی صوبہ یہ محسوس کر سکتا کہ اس کے ساتھ امتیاز برتا جا رہا ہے۔ اگر ہر ڈویژن کو صوبہ قرار دے دیا جائے تو یہ سب صوبوں کے ساتھ یکساں برتاؤ ہو گا۔ مولانا ظفر احمد انصاری نے جو دستوری خاکہ جنرل ضیاء الحق کو پیش کیا تھا اس میں بھی ہر ڈویژن کو ایک صوبہ قرار دینے کی تجویز تھی اور یہی مناسب ہے۔ یہ خیال کہ اتنی زیادہ صوبوں کی تعداد اقتصادی لحاظ سے viahle نہیں ہو گی' صحیح نہیں ہے۔

دنیا میں پاکستان واحد ملک ہے جہاں ۱۲ کروڑ باشندوں کے چار صوبے ہیں۔ تقسیم کے وقت بھارت میں ۷ صوبے تھے اب ۳۳ صوبے ہیں۔ ملک کی بقا' استحکام اور خوشحالی نیز امن و امان اور بہتر انتظام کے لئے چھوٹے صوبوں کا وجود ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحریر و تقریر کے فنون کی دولت سے نوازا ہے آپ چھوٹے صوبوں کے قیام کے لئے بھرپور کوششیں کریں خدا آپ کو اس کا نیک اجر عطا فرمائے گا۔ فقط

حاجی ظہیر احمد

سکھر

دین کا غلبہ پیش نظر نہیں تو کچھ بھی نہیں

تنظیم اسلامی اسی راہ کی راہی ہے جو نبیؐ نے دکھائی

حج و عمرہ اسی راہ کے نشان ہیں

نجیب صدیقی

عمرہ کو حج اصغر کہا گیا ہے اور جو لوگ اس کی سعادت پاتے ہیں وہ یقیناً خوش نصیب ہیں اور سب سے زیادہ خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو اپنے امیر کی معیت میں عمرہ ادا کرتے ہیں۔

تنظیم اسلامی کی طرف سے ایک اطلاع ملی کہ امیر محترم عمرہ کی سعادت کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں وہ لوگ جو ہمسفر بن سکتے ہوں وہ ان تاریخوں میں اپنے کاغذات تیار کرلیں۔ میں اس بات کا منتظر تھا کہ جب اس سفر کی روداد شائع ہوگی تو اسے پڑھ کر ذہنی طور پر شریک ہو جاؤں گا ۳۰ جنوری کے ندائے خلافت میں جناب عبدالرحمٰن رفیع صاحب کی تحریر پڑھ کر پلکیں بھیگ گئیں اور چشم تصور نے مجھے اس ماحول میں پہنچا دیا۔ میں ان دنوں کی بات کر رہا ہوں جب امیر محترم لندن میں اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ کچھ دن قیام کے بعد مکہ تشریف لائے اور مجھے ان کی رفاقت کا موقعہ ملا۔ غالباً یہ ۱۹۷۰ء کے آخری ایام تھے۔ اس وقت ابھی تنظیم بنانے کا فیصلہ نہیں ہوا تھا بلکہ امیر محترم کو یہ فیصلہ یہاں بیٹھ کر کرنا تھا۔ آپ نے غار حرا چلنے کے لئے فرمایا وہاں امیر محترم کے ساتھ دو رکعت نفل ادا کی۔ اس کے بعد آپ نے ان آیات کی تلاوت شروع کی جو پہلے پہل وہاں نازل ہوئی تھیں۔ آپ نے بلند آواز سے تلاوت شروع کی۔ دوران تلاوت ان کے آنسو جاری ہو گئے آواز بھر آ گئی۔ میری آنکھوں نے بھی ساتھ دیا اس طرح کچھ دیر دعاء و مناجات میں گزار کر واپس آ گئے۔ دوسرے دن اس مقام پر جانا ہوا جس کا ذکر جناب عبدالرحمٰن رفیع صاحب نے کیا ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں بیعت عقبہ اول و ثانی ہوئی تھی۔ امیر محترم کے ذہن میں تنظیم کا نقشہ یا تو بن چکا تھا یا بن رہا تھا اس تنظیم کو اس راستہ پر چلنا تھا جس پر آسمان و زمین کی سب سے محترم شخصیت چلی تھی اور قیامت تک کے لئے ایک روشن شاہراہ بنا دی تھی۔ اس راستے کے راہی کو "نشان منزل" سے جتنا پیار ہو سکتا ہے یہ کسی ناپ تول میں نہیں آ سکتا یہی وجہ ہے کہ امیر محترم نے اس پہلے "سنگ ہائے میل" پر اشکوں کا نذرانہ پیش کیا اور عزم و ہمت کا عہد کیا۔ ہمارے رفقاء نے تجدید بیعت اس جگہ پر کی ہے جہاں سے پہلی اسلامی تحریک نے ایک نظم کی شکل اختیار کی تھی کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس سعادت میں شامل تھے۔ اس سفر کی اہم بات یہ تھی کہ امیر محترم نے عمرہ کا احرام اس جگہ پر باندھا جہاں پر نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ اس طرح یہ سنت بھی ادا کی۔ نشان منزل کو سامنے رکھنے سے تحریکوں میں زندگی برقرار رہتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی جس تگ و دو میں گزری ہے اس کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے نشان منزل ہے آپؐ کی حیات اور مساعی پر جب ہم غور کرتے ہیں تو دو اہم سنتیں نظر آتی ہیں۔ ایک سنت دعوت' ایک سنت اقامت۔ دعوت اگر اقامت دین کے لئے ہے تو وہ عین سنت کے مطابق ہے۔ اور اگر وہ محض دعوت ہے اور اس کا ہدف اقامت دین نہیں تو ہم اسے سنت کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ جو جماعت بھی سنت دعوت کا دعویٰ کرتی ہو اسے اقامت دین کا ہدف ضرور سامنے رکھنا چاہئے۔ تنظیم اسلامی کی اساس اس سنت دعوت اور سنت اقامت پر ہے عمرہ یا حج اس "نشان منزل" کو بار بار واضح کرنے اور یاد دلانے کے لئے ہے۔ جس طرح بے مقصد کام اکارت جاتا ہے اور اس کا کوئی حاصل نہیں ہوتا اسی طرح عمرہ اور حج سے وہ تڑپ وہ لگن جو دین کی اقامت کے لئے متحرک نہ کر سکے اور دین کو سربلند کرنے کا عزم پیدا نہ کر سکے اس سے وہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے جو مطلوب ہیں اس کی حیثیت ایک رسم کی سی رہ جائے گی۔

دنیا کے مسلمانوں کا یہ اجتماع ایک رسم بن چکا ہے امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد کا اس سے تعلق نہیں رہا اس کی ایک وجہ یہ ہی ہے کہ ذریعہ کو ہم نے مقصد سمجھ لیا ہے۔ جب ذریعہ بذات خود مقصد بن جاتا ہے تو اصل شاہراہ سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔ مذہبی طبقہ عموماً اس وادی میں بھٹک رہا ہے۔ اگرچہ کارکنوں کی صلاحیتیں جماعتوں کی تعمیر میں خرچ ہو رہی ہیں لیکن مقصد محض لٹریچر کی حد تک رہ گیا ہے۔ جب جماعتیں مقصد بن جاتی ہیں تو ان میں جماعتی عصبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہی عصبیت محرک بن جاتی ہے کارکنوں کے اندر جوش و جذبہ اسی جماعتی طبیعت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جو جماعتیں اس عصبیت کا شکار ہو جاتی ہیں وہ ہر قدم پر اپنے جماعتی مفاد کو مقدم رکھتی ہیں۔ مقصد کے حصول کے لئے اگر جماعتوں کے اشتراک کی تجویز سامنے آتی ہے تو جماعتوں کا مفاد آڑے آتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو دین کا کام سمجھ کر ان جماعتوں کے دست و بازو بنتے ہیں' انہیں ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے اور اس بات پر نگاہ رکھنی چاہئے کہ وہ جس تحریک میں شامل ہیں کہیں وہ بذات خود مقصد تو نہیں بن گئی ہے!!

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر1

عزم تنظیم

عمدہ طباعت' صفحات ۴۲' قیمت -/۷

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر2

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

صفحات ۴۸' عمدہ طباعت' قیمت -/۶

● مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' ۶۷-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو- لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

لانگ آئی لینڈ (نیویارک) کے ہنٹنگٹن ہال میں اجتماع عید کا روح پرور منظر

نیویارک شہر سے متصل لانگ آئی لینڈ کا علاقہ جو نیویارک سٹیٹ ہی کا حصہ ہے' اپنی پرسکون فضا اور سرسبزی و شادابی کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتا ہے۔ اس علاقے میں مسلمان کمیونٹی بھی جابجا موجود ہے۔ جس کا ایک واضح مظہر یہ ہے کہ لانگ آئی لینڈ میں مسلمانوں کے سنٹرز یا مساجد کی مجموعی تعداد اب نو (۹) ہو چکی ہے۔ یہاں کے بعض مقامی مسلمان رہنماؤں نے ایک اچھی روایت کا آغاز کرتے ہوئے گزشتہ دو برسوں سے اس امر کا اہتمام شروع کیا ہے کہ پورے علاقے میں کسی ایک مرکزی مقام پر عید کی نماز ادا کی جائے اور کوشش کی جائے کہ لانگ آئی لینڈ کے تمام مسلمان وہیں نماز عید ادا کریں۔ اس بار اس مقصد کے لئے ایک نہایت خوبصورت اور وسیع و عریض ہال' (ہنٹنگٹن ٹاؤن ہال) کا انتخاب کیا گیا اور امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی نیویارک میں موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نماز عید کی امامت کے لئے متفقہ طور پر ان کا نام تجویز کیا گیا۔ بلاشبہ یہ ایک شاندار اور پرشکوہ اجتماع تھا جس میں منتظمین کے اندازے کے مطابق آٹھ ہزار مسلمان شریک تھے۔ لانگ آئی لینڈ کی نو میں سے سات مساجد کے مسلمانوں کا یہ مشترک اجتماع تھا۔ امیر تنظیم نے نماز سے قبل "قرآن اور امن عالم" کے عنوان سے انگریزی میں خطاب فرمایا اور نماز میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ اس خطاب کو بہت پسند کیا گیا اور تمام شرکاء نے جن میں علاقے کے ائمہ مساجد اور علماء دین بھی شامل تھے' اس اجتماع عید کو نہایت کامیاب قرار دیا۔

مقامی لوگوں نے اس امر کو بھی مسلمانوں کی ایک بڑی کامیابی قرار دیا کہ لانگ آئی لینڈ کے ایک اہم اخبار نے اس اجتماع کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس کی باتصویر کوریج نمایاں انداز میں کی جو بلاشبہ ایک غیر معمولی بات تھی! مذکورہ اخبار کا تراشہ ہدیہ قارئین ہے۔

Newsday Photos / Dick Kraus

Some 5,000 Muslims give thanks and pray at the Huntington Town House, left, yesterday; Dr. Israr Ahmad gives sermon.

LI Muslims End Ramadan Fast

5,000 faithful gather for 3 days of feasting

By Bob Keeler
STAFF WRITER

In thanksgiving for the completion of the month-long Ramadan fast, about 5,000 Long Island Muslims temporarily converted a catering facility into a house of worship yesterday, with communal prayers marking the start of the feast of Eid ul-Fitr.

The gathering at the Huntington Town House, which included believers from seven mosques, was the largest on Long Island for the start of the three-day feast. The men and boys occupied the entire upstairs — three ballrooms opened into one large space — and the women prayed in another large area downstairs.

The size of the event was a clear indicator of the rapid local growth of al-Islam, the fastest-growing religion in the world.

"Each mosque was built in such a way that we thought it was going to be a few families, and all of a sudden, boom," said Al-Haaj Ghazi Y. Khankan, interfaith and communications director for the Westbury mosque, the Islamic Center of Long Island. That explosive growth has made parking in the streets around mosques a source of occasional friction, which was one reason for choosing the town house. "That was our main concern, really, for the neighbors," Khankan said.

The composition of the gathering was a demonstration of the diversity of al-Islam, with worshipers of many national and ethnic origins praying together. "That's the beauty of the faith: It's color-blind, basically," said Dr. Faroque Khan, a spokesman for the Westbury mosque. Imam Isa Abdul Kareem, the spiritual leader of the Roosevelt mosque, added: "They're able to come together under the banner of belief in one creator. That's a sign for America."

During Ramadan, the lunar month during which Muslims believe God began revealing the Qur'an (Koran) to the prophet Muhammad, Muslims abstain from food, drink and other sensual pleasures from dawn until sunset. Eid ul-Fitr marks the end of the fast and the start of the month of Shawwal.

It began at the town house with prayer and a sermon by Dr. Israr Ahmad, an internationally known scholar from Pakistan, who urged the worshipers to demonstrate gratitude for the revelation of the Qur'an by reading, understanding, practicing and propagating its message. "If we don't do these four things," he said, "we are ungrateful to Allah."

The prayer service ended with an exchange of hugs and the greeting, "Eid Mubarak," or "blessed feast." Later in the day, the tone of the occasion is similar to that of Christmas or Thanksgiving, with large family meals and gift-giving.

Though Long Island Muslims have previously held fund-raisers at the town house, this was the first time they used it for Eid ul-Fitr prayers. "I have a feeling this is going to become a regular event," Khan said.